ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور
۲۶ر اکتوبر ۱۹۹۲ء

☆ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی مہم اب مرحلہ وار سر ہوگی
☆ پیپلزپارٹی اور پاک فوج کے تعلقات کا احیاء ہو رہا ہے؟
☆ ایا صوفیہ گرجا سے مسجد بنا اور اب ایک عجائب گھر ہے

میری سنو جو گوش حقیقت نیوش ہو

قاضی صاحب آگئے، چھا گئے

ذاتی اعتبار سے قاضی حسین احمد صاحب میں ایک عوامی تحریک برپا کرنے کی صلاحیت موجود ہے، پھر انہوں نے پاکستان کے عوام کی نفسیات کے مطابق عوامی مقبولیت کے وہ طور طریقے بھی اختیار کر لئے ہیں جو کبھی بھٹو صاحب نے استعمال کئے تھے۔ مزید برآں وہ اب پاکستان میں جہاد افغانستان اور جہاد کشمیر دونوں کے بھی "واحد وارث" کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پھر یہ بھی صحیح ہے کہ ملک کے اقتصادی حالات اور عوام کی بڑھتی ہوئی مایوسیاں اور محرومیاں بھی کسی عوامی تحریک کے لئے سازگار فضا فراہم کر رہی ہیں لہٰذا اس کا حقیقی اور واقعی امکان موجود ہے کہ قاضی صاحب اور پاسبان تنظیم ایک عوامی تحریک برپا کر دیں لیکن اس عوامی تحریک کے نتیجے میں اور سب کچھ برآمد ہو سکتا ہے وہ "صالح انقلاب" ہرگز برپا نہیں ہو سکتا جو اب سے چودہ سو سال قبل محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے برپا کیا تھا کیونکہ مولانا مودودی ہی کے الفاظ میں جہاں "نہ معاشرہ صحیح معنوں میں اسلامی ہو، نہ اخلاق اسلامی ہوں، جہاں کا سیاسی و معاشی اور تعلیمی نظام بھی اب تک غیر اسلامی خطوط پر ترقی کرتا رہا ہو" وہاں اول تو اسلامی حکومت قائم ہو ہی نہیں سکتی اور اگر بالفرض کسی "مجرد" عوامی تحریک کے ذریعے اتفاقاً" اسلام پسند لوگوں کی حکومت قائم ہو بھی جائے تو نہ وہ اسلام کو بالفعل قائم کر سکے گی نہ ہی خود قائم رہ سکے گی!۔۔○○

(ماخوذ از ماہنامہ "میثاق" لاہور، اشاعت خصوصی، اکتوبر ۱۹۹۲ء)

قیمت ۵ر روپے

کراچی میں امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت کی مصروفیات

مرتب: نجیب صدیقی

انجمن خدام القرآن سندھ نے ۲۷ ستمبر کو فاران کلب کراچی میں سیرت کے ایک جلسہ کا اہتمام کیا جس سے امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے خطاب کیا۔ یہ جلسہ فاران کلب کے وسیع لان میں منعقد کیا گیا تھا۔ یہ جگہ شہر کے تقریباً وسط میں واقع ہے اور ہر طرح کی تقریبات کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ انتہائی پرسکون اور وسیع لان میں کرسیاں ترتیب سے بچھی ہوئی تھیں اور روشنی کا بھی بہت عمدہ انتظام تھا۔ لان میں داخل ہوتے ہی داہنی طرف اسٹال لگے ہوئے تھے جن میں سے ایک انجمن خدام القرآن کا بھی تھا جس کے زیر اہتمام یہ جلسہ ہو رہا تھا اور دوسرا مکتبہ تنظیم اسلامی کا جبکہ تیسرا تنظیم اسلامی کے دعوتی لٹریچر کا اور چوتھا اسٹال تحریک خلافت کا تھا۔ ان سٹالوں سے دعوتی نوعیت کے لٹریچر مفت بھی تقسیم کئے جا رہے تھے۔

چند روز قبل اسی اجتماع کی پبلسٹی کے لئے پوسٹر، پٹی، اور ہینڈبل شہر میں چسپاں اور تقسیم کئے گئے، اخبارات میں اشتہار اسکے علاوہ تھا۔ کپڑے کا بینر جس پر جلسہ گاہ کا پتہ اور پروگرام تحریر تھا، ایک دن قبل چوراہے پر لگانا تھا جسے انتظامیہ نے لگانے نہیں دیا جبکہ دوسرے قسم کے بینر شہر میں ہر موڑ پر لگے ہوئے ہیں۔ جو ملک اسلام کے نام پر بنا تھا وہاں سیرت کے جلسہ کے لئے اشتہاری بینر صرف ایک دن کے لئے لگانا گوارا نہیں کیا گیا۔ اسلام کے ساتھ انتظامیہ کی دلچسپی کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے۔

اس جلسہ میں خواتین کے لئے الگ باپردہ نشست کا انتظام تھا۔ امیر محترم گھٹنوں کے درد کی وجہ سے بیٹھ کر خطاب کر رہے تھے جبکہ سامعین ہمہ تن گوش ہو کر سن رہے تھے۔

ماہ ربیع الاول میں سیرت کے جلسے عموماً منعقد ہوا کرتے ہیں۔ اس پورے ماہ مبارک میں مقررین و سامعین اپنے طور پر حق محبت ادا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے چاہے بقیہ گیارہ مہینے لمبی تان کر سوتے رہیں۔ ان کے نزدیک سیرت کا حق اس طرح ادا ہوتا ہے کہ میلاد کی محفلیں منعقد کی جائیں، نعت کی مجالس سجائی جائیں اور ان میں لک لک کر اپنی بھرپور عقیدت و محبت کا اظہار کیا جائے، بقیہ پوری زندگی سیرت کے مخالف ہی کیوں نہ بسر ہو۔ ان کے نزدیک سیرت کا تقاضا اتنا ہی ہے۔ چنانچہ ان جلسوں اور جلوسوں کی صورت بس ایک رسم کی سی ہے حالانکہ حضورؐ کی سیرت جدوجہد سے عبارت ہے۔ یہ جدوجہد غلبہ دین کے لئے تھی، عدل وقسط کے نظام کے لئے تھی جو منشائے الٰہی ہے۔ آپؐ کی پوری زندگی مرحلہ وار اسی کے لئے جدوجہد میں گذری ہے۔ سیرت کا یہ تصور جو حقیقی ہے اور اسی تصور پر مبنی نظام کے قیام کی جدوجہد کے لئے تنظیم اسلامی قائم کی گئی ہے جس کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب موجودہ دور میں سیرت کی اہم رہنمائی کے موضوع پر فاران کلب کراچی میں خطاب کر رہے تھے۔

یہ موضوع اس اعتبار سے انتہائی اہم اور اچھوتا تھا کہ اس طرف لوگوں کا ذہن نہیں جاتا، اہم اس لئے تھا کہ موجودہ دور کا جو تقاضہ ہے جو مطالبہ ہے اور حال ہی میں آزاد ہونے والی روسی ریاستوں کی طرف سے جو سوال آیا ہے اور وہ سوال عملی سوال ہے اس کا جواب بھی ہمارے ذمے ہے۔ ہمارے ذمے اس لئے ہے کہ ہم نے ایک مملکت اسی مقصد کے لئے بنائی تھی جسے آج ۴۵ برس ہوچکے ہیں لیکن وہ مقصد آج تک بروئے کار نہیں آیا۔ ڈاکٹر صاحب فرما رہے تھے کہ ڈاکٹر جاوید اقبال جو علامہ اقبال مرحوم کے صاحبزادے ہیں، اپنے دورے کے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ ان ریاستوں میں ان سے سوال کیا گیا کہ وہ اسلامی ماڈل کہاں ہے جسے ہم اپنے ملک میں اختیار کریں۔ ان ریاستوں نے کمیونزم کے نظام کو اپنے کاندھوں سے اتار پھینکا ہے اور اب انہیں کسی ایسے نظام کی تلاش ہے جو ان کے مسائل حل کرسکے۔ نظام کا خلاء تو نہیں رہ سکتا۔ اس وقت اس بات کی ضرورت تھی کہ انہیں نظام عدل اجتماعی کا چلتا پھرتا نمونہ دکھایا جاتا۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ لپک کر اسے اختیار کرلیتے مگر ہمارا اپنا حال یہ ہے کہ ہم نے اپنی ہی تصویر بگاڑی ہے دوسرے دیکھ کر جس سے وحشت کریں۔

ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس المیہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ورلڈ آرڈر کا عفریت منہ پھاڑے ہماری طرف بڑھ رہا ہے جس کے شکنجے سے بچنے کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ ہم اسلام کا وہ نظام عدل اجتماعی قائم کریں جس نے پہلے بھی انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکالا تھا اور آج بھی وہی انسانیت کو تحفظ دے سکتا ہے۔

سیرت مطہرہ پر گفتگو کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ حضورؐ نوع انسانی کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ رحمت کا تقاضہ ہے کہ انسان کو جس چیز کی شدید ضرورت ہو وہ اسے مہیا کی جائے۔ مثال دیتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ کسی شخص کو شدید بھوک لگی ہے، آپ اسے عمدہ کپڑا دیتے ہیں تو یہ اسکی ضرورت تو نہیں۔ اس وقت نوع انسانی کو نظام عدل وقسط کی ضرورت ہے، ایسا نظام جو اس کے تحفظ کا ضامن ہو، جو اسے عزت و وقار دے، سیاسی سطح پر، سماجی سطح پر اور معاشی سطح پر اسے انصاف مل سکے۔ یہ کام حضورؐ نے اس وقت کیا جب تاریخ اپنے سفر کے نصف النہار پر پہنچی تھی۔ آپؐ نے دنیا کے سامنے ایک ماڈل پیش کیا۔ صرف وعظ نہیں فرمایا بلکہ چلتا پھرتا نمونہ دکھایا، زندگی کی تمام جہتوں میں عدل وقسط نافذ کرکے بتایا۔ یہی آپ کی اصل سیرت ہے جس کی طرف سے ہم نے منہ پھیر رکھا ہے۔ (باقی صفحہ ۱۸ پر)

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
ندائے خلافت
لاہور

جلد ۱ شمارہ ۳۹
۲۶ر اکتوبر ۱۹۹۲ء

مدیر
اقتدار احمد
معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی
مرکزی دفتر: ۶۷-اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور
مقامِ اشاعت
۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون:- ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ، لاہور

قیمت فی پرچہ :- ۵ر روپے
سالانہ زرِ تعاون (اندرونِ پاکستان) :- ۲۰۰ روپے

زرِ تعاون برائے بیرونِ پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ——— ۳۰ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ——— ۱۵ " "
افریقہ، ایشیا، یورپ ——— ۲۰ " "
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ——— ۲۴ " "

افتتاحیہ

یہ دھواں ہوا میں کب تحلیل ہو گا؟

پاکستان کے سب سے حساس صوبے سندھ میں "آپریشن کلین اپ" کے ماند پڑ جانے کے بعد سے جو کھچڑی پک رہی تھی اس کی بو باس اب پورے ملک میں پھیلتی جا رہی ہے۔ اس امر میں تو اب باخبر حلقوں کو کوئی شبہ نہیں رہا کہ ہمارے حکمران طبقے کی سیاسی مصلحتوں نے فوج کو اس دلدل میں پھنسا کر بے وقار کیا ہے اور آج ہمارا یہ واحد منظم ادارہ ایک مخمصے کا شکار ہے۔

درمیان قعرِ دریا تختہ بندم کردہ ای باز می گوئی کہ دامن تر مکن' ہشیار باش

اسی مشکل سے جان چھڑانے کے لئے فوج نے سندھ سے واپسی کا عندیہ دیا اور اندازہ ہے کہ وہ واپس بیرکوں میں جانے کے اپنے فیصلے پر عملدرآمد کر کے رہے گی لیکن کیا یہ جائزہ لینے کی بھی ضرورت نہیں کہ سندھ آپریشن سے فوج نے اپنی جگہ اور قوم نے اپنی جگہ کیا کھویا 'کیا پایا۔

حقیقت یہ ہے کہ فوج کے مقام و مرتبہ کو ویسا ہی نقصان پہنچا ہے جیسا سقوط ڈھاکہ کے حادثہ فاجعہ کے موقعہ پر پہنچا تھا۔ ایک طرف سندھیوں کی امیدوں کا خون ہوا' دوسری طرف مہاجر آبادی کے مخصوص اور بدقسمتی سے موثر طبقے میں فوج سے بیزاری کے خطرناک جذبات پیدا ہوئے اور تیسری طرف حکومت اور فوج کے درمیان اعتماد کی فضا شدید بحران کا شکار ہو گئی ہے جس کے نتائج کے بارے میں کوئی بات وثوق سے تو نہیں کہی جا سکتی تاہم قوم کو بھاری بوٹوں کی چاپ ضرور سنائی دینے لگی ہے' ایک اور مارشل لاء کے آثار نظر آنے لگے ہیں جس کے بارے میں ہمارے "شہید" مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بھی گیارہ برس کوس لمن الملک بجانے کے بعد کہہ گئے ہیں کہ پاکستان کا آخری مارشل لاء ثابت ہو گا۔ تفصیل میں جائے بغیر اس اجمال سے ہی یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ فوج اور قوم دونوں نے کھویا ہی کھویا ہے' پایا کچھ نہیں کیونکہ حالات کے تیور بتا رہے ہیں کہ فوج کی واپسی کے ساتھ ہی سندھ میں معاملات پہلے سے کہیں زیادہ تشویشناک صورت اختیار کر لیں گے۔

اور یہ دیکھا جائے کہ اتنا بڑا خطرہ کیوں مول لیا جا رہا ہے تو شدید مایوسی ہوتی ہے اور موجودہ حکمرانوں سے خیر کی موہوم توقع بھی دم توڑ دیتی ہے۔ رموز مملکت خویش' خسرواں دانند کے پیش نظر کچھ اور بھی ہوں گے تاہم ایک عام باشعور شہری کو تو بس یہ معلوم ہے کہ تین "نیک مقاصد" کو پورا کرنا مطلوب ہے جن میں سے ہر ایک ہمارے حکمرانوں کو دوسرے سے بڑھ کر عزیز تر ہے۔ اولین یہ کہ ایک اقلیتی حکومت کو صوبے پر مسلط رکھا جائے جس میں ملک کی اعلیٰ ترین شخصیت کی بھی بھرپور نمائندگی موجود ہے خواہ اس کے لئے بدترین' بہت مہنگی اور سب سے بھونڈی قسم کی "ہارس ٹریڈنگ" ہی کیوں نہ کرنی پڑے' پارلیمانی روایات کو روندنا ہی کیوں نہ لازم ٹھہرے اور امن و سکون کی اس فضا کو پھر سے غارت کرنا بھی کیوں نہ ضروری ہو جائے جس میں دیہی اور شہری سندھ کے باسیوں نے چند روز آرام سے گزارے ہیں۔ دوسرا مقصد ایک برخود غلط شخص کے جرائم پر پردہ ڈالنا' اسے کھل کھیلنے کا موقع دینا اور اس کے سازشی و شرپسند ساتھیوں کی امنگوں کی تکمیل ہے چاہے "جناح پور" کے نقشے کے خطوط واضح ہی کیوں نہ ہوتے چلے جائیں۔ اور آخری مراد یہ کہ ہر غلط یا صحیح حربہ آزما کر سندھ سے پاکستان پیپلز پارٹی کی بیخ کنی کی جائے جسے مرحوم جنرل ضیاء الحق کی گیارہ سالہ مساعی ملک کے سیاسی منظر سے ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ مرحوم کے معنوی وارث اور تربیت یافتہ شاگرد اب جو گر استعمال کرنے کا سوچ رہے ہیں' ان کے بارے میں مختلف اندازے آئے دن اخبارات میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ صاف نظر آتا ہے کہ ہمارے حکمرانوں نے ہر قیمت پر پی پی پی کو ملکی سیاست سے بے دخل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور اس کے لئے وہ کسی بھی انتہا تک جانے کے لئے تیار ہیں۔

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

الہدیٰ

سورۃ البقرہ

(آیات ۱۳۵ - ۱۳۶)

اور وہ کہتے ہیں کہ یہودی یا نصرانی بنو تو ہدایت پاؤ گے' کہو بلکہ پیروی کرو ابراہیمؑ کی ملت کی جو یکسو تھا اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھا ○

(کہ یہود و نصاریٰ کا یہ دعویٰ صریحاً بے بنیاد ہے کہ ہدایت یافتہ ہونے کے لئے یہودیت یا نصرانیت اختیار کرنا ضروری ہے۔ وہ محض اسلام دشمنی میں متحد ہو کر یہ راگ الاپ رہے ہیں۔ انہیں صاف طور پر سنادو کہ اصل میں ملت ابراہیمؑ کی پیروی مقصود ہے۔ وہ ابراہیمؑ کہ جو تمام بتوں سے اور سب بت پرستوں سے اپنا تعلق منقطع کر کے بس ایک اللہ کے دامن سے وابستہ ہو گیا تھا۔ جس نے اپنے دامن کو شرک کی ہر آلائش سے پاک رکھا اور ہر معاملے میں اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کئے رکھا۔ ہم تو اس ابراہیمؑ کے نقش پا کی پیروی کرنے والے ہیں اور تمہیں بھی اسی بات کی دعوت دیتے ہیں!)

تم کہہ دو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس چیز پر جو ہماری طرف اتاری گئی اور اس چیز پر جو ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور اسکی اولاد پر اتاری گئی اور اس چیز پر جو ملی موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو اور اس سب پر جو ملا دوسرے انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے'

(کہ اے مسلمانو تم واشگاف الفاظ میں اس حقیقت کا اعلان کرو کہ ہم تو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر' اس کے تمام پیغمبروں پر اور ان تمام کتابوں پر کہ جو اللہ نے اپنے پیغمبروں پر نازل فرمائیں۔ ہم اس قرآن پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو اللہ نے ہم پر اتارا اور اُن تمام صحیفوں اور آسمانی کتابوں پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو پچھلے انبیاء و رسل پر نازل کی گئیں)

ہم تفریق نہیں کرتے ان میں سے کسی کے درمیان اور ہم صرف اسی کے فرمانبردار ہیں ○

(کہ ہم تو اللہ کے نبیوں میں کوئی تفریق روا نہیں رکھتے کہ ان میں سے بعض کو مانیں اور بعض کو اللہ کا نبی تسلیم کرنے سے انکار کردیں۔ ہمارے نزدیک تمام انبیاء قابل احترام اور لائق تعظیم ہیں اور یہ سب اپنے اپنے زمانے میں واجب الاتباع تھے۔ ہم تو اس اللہ کے فرمانبردار ہیں جس نے ان سب پیغمبروں کو مبعوث فرمایا اور ان کے ذریعے اپنے احکامات اپنے بندوں تک پہنچانے کا اہتمام فرمایا۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ جس دور میں اللہ نے جس نبی کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا اور اپنا کلام اس پر نازل فرمایا اس کا اتباع لازم ہے۔ ہاں' اے یہود تمہارا معاملہ مختلف ہے۔ تم اللہ کے بعض رسولوں کو مانتے اور بعض کا ڈھٹائی سے انکار کرتے ہو۔ اللہ کے رسول کی تکذیب درحقیقت اللہ کی تکذیب کے مترادف ہے۔ تمہارا یہ طرز عمل صریح گمراہی نہیں تو اور کیا ہے!)

ترجمانی: حافظ عاکف سعید

جوامع الکلم

ظالم سلطان کے سامنے کلمۂ عدل کہنا بہترین جہاد ہے

(کہ کلمۂ حق کا بلند کرنا اور عدل و انصاف کی بات کرنا بالخصوص ان حالات میں کہ جان کا اندیشہ ہو' یقیناً اعلیٰ ترین جہاد ہے۔ اگلے وقتوں میں کسی ظالم و قاہر بادشاہ کے سامنے حق و انصاف کی بات کرنا کٹھن ترین کام شمار ہوتا تھا اور آج جبکہ سلطانئ جمہور کا دور دورہ ہے عوام الناس کے غلط رویّے پر تنقید کرنا اور ان کے خلاف کلمۂ حق زبان سے ادا کرنا مصائب و مشکلات کے سیلاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے اور اس اعتبار سے شاید یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ آج یہی اعلیٰ ترین جہاد ہے!)

(سنن ابی داؤد بروایت حضرت ابو سعید خدریؓ)

بے نظیر بین الاقوامی سطح پر فوج کی ترجمان ہو سکتی ہیں

پیپلزپارٹی اور فوج کے تعلقات کا احیاء ہو رہا ہے؟

امریکہ کو نواز شریف کی بھی ضرورت رہے گی

عبدالکریم عابد

پاکستان پیپلزپارٹی اور فوج ایک دوسرے کو امید بھری چاہت کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں۔ بے نظیر صاحبہ کا کہنا ہے کہ آج کی فوج وہ نہیں جو جنرل ضیاء الحق کی ذاتی آلہ کار تھی' یہ اب صحیح معنوں میں قومی فوج ہے۔ دوسری طرف فوج کی جانب سے بار بار پیپلزپارٹی کے لئے یہ سرٹیفکیٹ جاری کیا جارہا ہے کہ اس پارٹی یا اس کی قیادت کا "الذوالفقار" سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پارٹی کے لئے فوج کی جانب سے یہ سند بریت ایک ایسے وقت میں پیش کی جارہی ہے جب سول حکومت اور قیادت اس پارٹی کو "الذولفقار" قرار دے کر کچلنا چاہتی ہے۔ جام صادق کے دور حکومت میں کچلنے کی یہ کارروائی بڑے پیمانے پر کی گئی لیکن اس سے تشفی نہیں ہوئی اور خیال تھا کہ جو کچھ جام صادق نہیں کرسکے' وہ فوجی آپریشن کردے گا مگر یہ خیال غلط ثابت ہوا اور آج صورت یہ ہے کہ سندھ میں فوج کی موجودگی کی سب سے بڑی حامی پیپلزپارٹی ہے۔

اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ فوج کی بندوقوں کا رخ ایم کیو ایم کی طرف ہے اور نہ صرف پیپلزپارٹی بلکہ تمام سندھیوں کے لئے یہ خوشی کی بات ہوگی کہ فوج اور ایم کیو ایم میں ٹکراؤ ہو اور فوج کی طاقت سے ایم کیو ایم کچل دی جائے۔ بے نظیر صاحبہ کے لئے فوجی آپریشن کا دوسرا دل خوش کن پہلو یہ ہے کہ اس کی زد میں اندرون سندھ کے وہ وڈیرے اور چھاریدار آسکتے ہیں جو سندھ کی موجودہ صوبائی حکومت کے عناصر ترکیبی میں شامل ہیں اور جب ان پر زد پڑے گی تو مرکز بھی ہل جائے گا اس لئے پیپلزپارٹی کے تمام لیڈر چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں کہ فوج واپس جانے کی بجائے اپنے ادھورے آپریشن کو مکمل کرے اور مگرمچھوں پر بھی ہاتھ ڈالے۔

پیپلزپارٹی اس بات کو بھی خوب سمجھتی ہے کہ مرکز میں بھی کوئی تبدیلی اسمبلی کے اندر سے نہیں آسکتی۔ بے نظیر حکومت کے پاس بہت معمولی اکثریت تھی لیکن اس معمولی اکثریت کو بھی عدم اعتماد کے دوران زبردست ہارس ٹریڈنگ کے باوجود ختم نہیں کیا جاسکا حالانکہ اس تحریک عدم اعتماد کو کامیاب بنانے کے لئے انٹیلی جینس ایجنسیاں سرگرم رہیں اور خزانوں کے منہ کھول دئے گئے تھے جبکہ پیپلزپارٹی کے رہنماؤں کے نہ خفیہ اداروں سے تعلقات اچھے ہیں نہ وہ "دولت کی سیاست" میں اسلامی جمہوری اتحاد کے قائدین کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی لڑائی اسمبلی کے اندر نہیں' اسمبلی کے باہر لڑنا چاہتے ہیں۔

آئینی حدود میں رہ کر صدر اسحٰق کو ہٹانا اور بھی مشکل ہے جبکہ پیپلزپارٹی کے نقطہ نظر سے فساد کی اصل جڑ صدر اسحٰق ہیں اور انہیں ہٹانے کی کارروائی صرف فوج کرسکتی ہے۔ فوج کی طرف ملتجی نگاہوں سے دیکھے جانے کی اضافی وجہ یہ بھی ہے۔

دوسری طرف فوج کا مسئلہ یہ ہے کہ اسے امریکہ کے چیلنج کا سامنا ہے۔ سرد جنگ کے خاتمے کے ساتھ ہی افغان جہاد کا بھی ڈراپ سین ہوگیا اور اب نیا امریکی رویہ ہماری فوج کے لئے پریشان کن ہے جو پاکستان میں اصل پالیسی ساز طاقت رہی ہے اور اب بھی پاکستان انہی پرانی پالیسیوں پر کھڑا ہے۔ اس پالیسی کا اساسی نکتہ یہ ہے کہ پاکستان کے پاس اس قدر فوجی طاقت ہونی چاہیے کہ وہ بھارت کا مقابلہ کرسکے لیکن امریکہ پاکستان کی ایٹمی قوت کا مخالف ہے' اسلحہ اور اس کے فاضل پرزے نہیں دے رہا ہے اور فوجی بجٹ میں کمی کا مطالبہ بھی کررہا ہے۔ اس صورت حال کی سنگینی میں امریکہ کے صدارتی انتخابات کے بعد اور اضافہ ہوگا۔ اگر بش جیت جاتے ہیں تب بھی ان کے موجودہ رویہ کی سختی بڑھے گی۔

اگرچہ پریسلر ترمیم کی نئی تشریح کے ذریعے پاکستان کے لئے کچھ گنجائشیں پیدا کی گئی ہیں تاہم بنیادی پالیسی جوں کی توں برقرار ہے اور انتخابات کے بعد بش کامیاب ہوگئے تب بھی مسئلہ ہوگا اور کلنٹن صاحب آگئے تو مزید مصیبت آئیگی۔ ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے فوج کو بے نظیر کی ضرورت ہے۔ ایک تو اس خاتون میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ امریکہ میں اپنے ہمدردوں کے ذریعے امریکی روش پر اثر انداز ہوسکے اور پالیسی پر اثر انداز نہ بھی ہوسکے تو یہ ضرور ممکن ہے کہ ایٹمی مسئلہ پر امریکی دباؤ کے رخ کو بھارت پر زیادہ کروا دیا جائے۔ موجودہ حکمران بھی اس کے لئے کوشاں رہے ہیں اور بھارت پر امریکی دباؤ بڑھنے کے کچھ آثار ہیں لیکن یہ ابھی بہت کم ہے اور بے نظیر صاحبہ کے ذریعے امریکہ سے سیاسی بات چیت زیادہ کھل کر ہوسکے گی کیونکہ امریکہ اور مغربی دنیا میں ہمدردوں کا جو حلقہ بے نظیر کو حاصل ہے وہ کسی اور کو نہیں۔

بے نظیر امریکہ اور مغربی دنیا کے لئے قابل اعتماد بھی ہوسکتی ہیں جبکہ موجودہ سول قیادت کے

متعلق امریکہ کو ایک شکایت یہ ہے کہ پاکستان کا ایوان اقتدار اب ایک چڑیا گھر کی طرح ہے جس میں ہر جانور الگ الگ بولی بول رہا ہے' کوئی ایک اور مشترکہ آواز نہیں ۔ دوسری شکایت امریکیوں کو یہ ہے کہ جتنا کچھ جھوٹ سیاسی ضروریات کی بنا پر پبلک پلیٹ فارم سے بولا جاتا ہے' وہ تو گوارا ہے مگر درون خانہ کی بات چیت میں بھی پاکستانی حکام جھوٹ سے کام چلانا چاہتے ہیں اور قدم قدم پر نہ صرف جھوٹ بلکہ سفید جھوٹ بولتے ہیں ۔ اس لئے ان کے ساتھ معاملہ مشکل ہے جبکہ امریکیوں کا خیال ہے کہ پاکستانی شخصیات میں بے نظیر اور جنرل آصف نواز جو بھی بات کرتے ہیں' صاف سیدھے الفاظ میں کرتے ہیں اور چرب زبانی یا چکمہ بازی سے گریز کرتے ہیں چنانچہ وہ ہماری بات مان سکتے ہیں اور اپنی بات منوا بھی سکتے ہیں مگر باقی لوگوں خاص طور پر وزارت خارجہ کے بابو حضرات سے بک جھک کا کوئی فائدہ نہیں اور نہ جناب نواز شریف یا ان کے وزیر مملکت برائے امور خارجہ صدیق کانجو کسی اعلیٰ سطح کی گفتگو کے اہل ہیں۔

نواز شریف کے متعلق امریکیوں کا خیال برا نہیں ہے' انہیں اس اعتبار سے پسند کیا جاتا ہے کہ انہوں نے معیشت کی تبدیلی کے لئے تیز تر اقدامات کئے ہیں اور ملکی سرمایہ دار طبقہ کے علاوہ بیرون ملک کے ملٹی نیشنل سے بھی ان کی اچھی خاصی رفاقت قائم ہوگئی ہے۔ پھر وہ ہر ایک سے ہر وقت مفاہمت کے لئے تیار رہتے ہیں ۔ انہوں نے ایم کیو ایم سے مفاہمت کی' عوامی نیشنل پارٹی کے لیڈروں کو ساتھ لیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بنیاد پرستوں سے پیچھا چھڑایا جبکہ پیشہ ور مولوی مشائخ بھی اپنے ارد گرد جمع کئے ہوئے ہیں ۔ اس بنا پر امریکہ نواز شریف کی ضرورت اور افادیت کا بھی قائل ہے لیکن تنہا وہ نہ امریکہ کی ضرورت کو پورا کرتے ہیں نہ فوج کی ضرورت کو اس لئے نظریں بار بار بے نظیر کی طرف اٹھتی ہیں ۔

امریکہ اور فوج دونوں ہی یہ سمجھتے ہیں کہ اگر بے نظیر صاحبہ کو ایک کردار دیا جائے تو وہ اپنے حصے کی جو اداکاری کریں گی' اس میں بڑی اور بجلی ہوگی جیسا کہ بھٹو میں نظر آتی تھی ۔ بھٹو کو اصولاً اسکندر مرزا کے ساتھ ہی رخصت کردینا چاہیے تھا لیکن ایوب خان نے اس گوہر بے بہر کو اپنے ساتھ رکھا' اپنا منہ بولا بیٹا بنایا اور وہ ایوب خان کے بھی سب سے زیادہ معتمد اور وفادار تھے ۔ محترمہ فاطمہ جناح کے مقابلے پر ایوب خان کی انتخابی مہم بھٹو صاحب نے بہت وفاداری اور بہت خوبی سے لڑی۔ لاہور میں ایک اجتماع میں جب لوگوں نے چمچے دکھائے تو بھٹو صاحب نے کہا انہیں ایوب کا چمچہ ہونے پر فخر ہے' اس مرحلے کے بعد جب بھٹو صاحب دوسرے دور میں داخل ہوئے اور مخالف ایوب طاقت بن کر ظاہر ہوئے تو اس وقت بھی انہوں نے کسی کو شبہ نہیں ہونے دیا کہ یہ سب کچھ وہ یحییٰ خان اور کچھ دوسرے جنرلوں کی ملی بھگت سے کر رہے ہیں ۔

ایوب خان کے بعد یحییٰ خان دوسرے آدمی تھے جو بھٹو کے لئے اقتدار کا زینہ بن گئے ۔ بھٹو سیاست میں بے ڈھنگے پن سے نہیں بلکہ پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے' ان کی ایک خاص دانشورانہ سطح تھی جس نے بہت سے دانشوروں کے ساتھ فوج کو بھی متاثر کیا ۔ حقیقت یہ ہے کہ یحییٰ خان مجیب سے سمجھوتہ کرنا چاہتے تھے ۔ انہوں نے کہہ دیا تھا کہ مجیب مستقبل کا وزیراعظم ہے لیکن اس سمجھوتہ کے لئے کوئی فضا فوج میں موجود نہیں تھی ۔ اس کے برعکس فوج کے جذبات کی ترجمانی بھٹو کر رہے تھے اس لئے وہ یحییٰ پر حاوی ہوگئے' چنانچہ یحییٰ خان کو انہیں نائب وزیراعظم بنانا پڑا اور مشرقی پاکستان کے معاملے میں اپنے ضمیر اور اپنی اور ساتھی جرنیلوں کی عقل کے خلاف بھٹو کی مرضی کے مطابق فیصلے کرنے پڑے ۔ ان فیصلوں میں قومی اسمبلی کے اجلاس کے التوا کا فیصلہ بھی تھا۔

یحییٰ خان چلے گئے تو فوج نے بھٹو کو ان کی خدمت کے انعام کے طور پر چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بنادیا اور اس قدر طاقتور حیثیت دی کہ انہوں نے ایک درجن سے زیادہ جنرلوں کی فوراً چھٹی کرادی' کسی اور سول شخصیت کو فوج نے طاقت کے اس درجے پر متمکن نہیں کیا تھا لیکن ضیا دور میں صورت حال بدل گئی ۔ بھٹو کے زوال میں بنیادی ہاتھ امریکہ کا تھا جو ان کا یہ قصور معاف کرنے کے لئے تیار نہیں تھا کہ انہوں نے ببانگ دہل اعلان کیا کہ ہم گھاس کھائیں گے مگر ایٹم بم ضرور بنائیں گے۔ بھٹو کی سیاسی غلطیوں کی فہرست بہت طویل ہے لیکن امریکہ ان کے خلاف نہ ہوتا تو وہ سب سیاستدانوں پر حاوی ہوگئے تھے ۔ یقیناً اسلامی لہر نے ان کے لئے بڑا مسئلہ پیدا کردیا تھا لیکن اس لہر سے مصالحت کے لئے تیار ہوگئے تھے' قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینا صرف انہی کی ہمت تھی اور اسکے بعد وہ سوڈان کے جنرل نمیری کی طرح سوشلسٹ سے بنیاد پرست بننے کی راہ پر چل پڑے تھے لیکن امریکہ نے چلنے نہیں دیا اور پھانسی کے تختہ پر پہنچا کر دم لیا ۔

اس ضیاء دور میں فوج اور پیپلزپارٹی کے تعلقات میں کشیدگی انتہا درجے کو پہنچی ہوئی تھی ۔ پارٹی کے عام کارکن اور قائدین صرف سندھ میں نہیں' پنجاب میں بھی فوج کے خلاف باتیں کرتے تھے اور فوج کو پاکستان میں فساد اور خرابی کی جڑ قرار دیتے تھے ۔ مرتضیٰ بھٹو نے تو غیر ملکی طاقتوں کے پھسلانے اور اپنے طیش کی وجہ سے "الذوالفقار" کا راستہ اختیار کیا لیکن ان برے دنوں میں بھی بے نظیر صاحبہ کو یہ امید ضرور تھی کہ ان کے چمن سے روٹھی بہار پلٹ کر واپس آسکتی ہے لیکن اس کے لئے انہیں فوج سے تعلقات ٹھیک کرنے ہونگے ۔ انہوں نے اپنے بھائی اور اپنی والدہ کی پالیسیوں کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور فوج سے تعلقات کے لئے لگاتار کوشاں رہیں ۔ آج وہ اس میں خاصی کامیاب نظر آتی ہے جبکہ اس کامیابی میں ایک حصہ جنرل اسلم بیگ کا بھی ہے ۔

حقیقت یہ ہے کہ جنرل اسلم بیگ نے مارشل لاء لگانے سے گریز کیا تھا ۔ یہ صحیح ہے کہ امریکہ کی طرف سے مارشل لاء کی اجازت نہیں تھی لیکن تھائی لینڈ' فلپائن' برما اور کئی ملکوں میں چھوٹی چھوٹی فوجوں نے امریکہ کی خواہش کے علی الرغم مارشل لاء نافذ کیا اور پاکستان میں تو بڑی فوج تھی جس کی معاشرہ میں جڑ بنیاد بھی قائم ہوگئی تھی اس لئے وہ بھی ویسا کرسکتی تھی لیکن اسلم بیگ نے اس سے گریز کیا اور صدر اسحٰق پر بھی دباؤ ڈالا کہ وہ ٹی وی پر اپنی پہلی تقریر کی تردید میں دوسری تقریر کریں۔ پہلی تقریر میں انہوں نے کہا تھا کہ اقتدار اس کو دیا جائے گا جو اسمبلی میں اپنی اکثریت ثابت کرے دوسری تقریر میں کہنا پڑا کہ اکثریت ثابت کرنے کی ضرورت نہیں' اس کے بغیر بے نظیر کو اقتدار دے دیا جائے گا کیونکہ ان کی پارٹی سب سے بڑی پارٹی ہے ۔ اسمبلی میں اکثریت ثابت کرنے کے لئے کہا جاتا تو یہ بڑی پارٹی ایسی زیادہ بڑی پارٹی بھی نہیں تھی کیونکہ اکثریت بہت

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

اسلام کی نشاۃ ثانیہ میں تدریج اور اس کے تقاضے

اب یہ مہم مرحلہ وار سر ہو گی

(قسط اول)

"تم لازماً ترقی کرو گے' درجہ بدرجہ' ایک ایک سیڑھی چڑھ کے"

(نوائے وقت کے شکریئے کے ساتھ)

ڈاکٹر اسرار احمد

سب جانتے ہیں کہ یہ "معجزہ" تو پوری انسانی تاریخ میں ایک ہی بار رونما ہوا تھا کہ ایک ہی فرد (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) نے دعوت کا آغاز بھی فرمایا ۔ ابلاغ و تبلیغ اور نشرو اشاعت کے جملہ تقاضے بھی پورے کئے' پھر جن لوگوں نے دعوت کو قبول کیا انہیں نہ صرف جمع کیا بلکہ ایک نہایت مضبوط و محکم تنظیمی سلسلے میں منسلک کیا' پھر ان کا تزکیہ نفس بھی کیا اور تعلیم و تربیت کے تمام تقاضے بھی پورے کئے' پھر اولاً عدم تشدد اور صبر محض' پھر اقدام اور چیلنج' اور بالآخر مسلح تصادم کے مراحل سے بھی گزارا' اور ہر مرحلے پر بنفس نفیس خود ہی قیادت اور رہنمائی فرمائی حتیٰ کہ سپہ سالاری کے جملہ فرائض بھی ادا کئے'----- اور کل بیس برس کے عرصے میں یہ سارے مراحل طے کر کے لاکھوں مربع میل پر پھیلے ہوئے ملک میں انقلاب کی تکمیل فرمادی اور اللہ کے دین کو غالب کردیا!(فصلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)

اب ایک جانب تو اس حقیقت کو سامنے رکھئے' اور دوسری جانب اس امر کو کہ قرآن حکیم کے صغریٰ کبریٰ سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے' اور احادیث نبویہؐ میں بھی صراحت کے ساتھ اس کی خبر دی گئی ہے کہ قیامت سے قبل ایک بار پھر اللہ کا دین اللہ کی زمین پر اسی شان کے ساتھ غالب ہوگا جس شان سے اب سے چودہ سو سال قبل ہوا تھا--- اور اس بار یہ غلبہ دین پورے کرۂ ارضی کو محیط ہوگا اور پورا عالم انسانی توحید کے نور سے بالفعل منور ہوجائے گا--- بقول اقبال ۔

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش
اور ظلمت رات کی سیماب پا ہوجائے گی
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغام سجود
پھر جبیں خاک حرم سے آشنا ہوجائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائے گی
شب گریزاں ہوگی آخر جلوہ خورشید سے
یہ جہاں معمور ہوگا نغمہ توحید سے!

چنانچہ مسند احمد ابن حنبلؒ میں حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضورؐ نے اپنے مبارک زمانے سے قیام قیامت تک پانچ ادوار کا ذکر فرمایا ----- یعنی (i) دور نبوتؐ (ii) دور خلافت علی منہاج النبوت (iii)ظالم ملوکیت کا دور (iv)مجبوری والی بادشاہت (یعنی غلامی) کا دور ----- اور (v) دوبارہ خلافت علی منہاج النبوتؐ کا دور! ان میں سے چوتھے دور سے مراد غالباً" مغربی امپیریلزم کا دور ہے جو براہ راست حکومت کے اعتبار سے تو ختم ہو چکا ہے مگر تاحال بالواسطہ اقتدار یعنی سیاسی و معاشی تسلط اور تہذیبی وثقافتی غلبے کی صورت میں جاری ہے ------ اس طرح اس وقت گویا نوع انسانی آنحضورؐ کے بیان کردہ ادوار کے اعتبار سے چوتھے اور پانچویں کے درمیان عبوری' دور اور برزخی مرحلے میں ہے!

ادھر قرآن حکیم میں تین بار تو یہ فرمایا گیا کہ : "وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول (محمدؐ) کو الہدیٰ (قرآن حکیم) اور دین حق کے ساتھ تاکہ غالب کرے اسے کل دین یا تمام ادیان پر" (سورہ توبہ ۳۳ ۔ سورۂ فتح ۲۸۔ سورہ صف ۹) ----- گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد "غلبۂ دین حق" ہے ---- اور دوسری طرف مختلف اسلوبوں سے تین ہی بار یہ فرمایا کہ آپ کی بعثت تمام نوع انسانی کے لئے ہے۔ جیسے مثلاً سورۂ سبا کی آیت ۲۸ میں فرمایا: "ہم نے نہیں بھیجا ہے آپؐ کو مگر تمام انسانوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر!" ----- اب ان دونوں کو یعنی منطق کی اصطلاح میں "صغریٰ اور کبریٰ" کو جمع کر لیں تو صریح نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اب جب بھی دوبارہ "خلافت علیٰ منہاج النبوت" کا دور دنیا میں آئے گا تو یہ خلافت عالمی اور آفاقی اور پورے عالم انسانی اور کرۂ ارضی کو محیط ہوگی۔

مزید برآں اس کی صریح پیشینگوئیاں بھی احادیث میں صحیح موجود ہیں۔ چنانچہ (i) مسند احمد بن حنبلؒ ہی میں حضرت مقداد ابن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا:"روئے ارضی پر کوئی ایک گھر بھی ایسا نہیں بچے گا' خواہ وہ اینٹ گارے کا بنا ہوا ہو یا کمبلوں کے خیمے کی صورت میں ہو' جس میں اللہ کلمۂ اسلام کو داخل نہ کرے' خواہ کسی عزت والے کے اعزاز کے ساتھ' خواہ کسی پست ہمت کے ضعف کے ذریعے' یعنی یا تو گھر والا خود ایمان لے آئے گا یا اسے اسلام کی بالادستی قبول کرنی ہوگی!" اس پر حضرت مقدادؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا :"تب تو وہی بات پوری ہو جائے گی کہ ---- کل

دین اللہ ہی کے لئے ہو جائے!" (اشارہ ہے سورہ انفال کی آیت نمبر ۳۹ کی جانب) (۲) حضرت ثوبانؓ سے صحیح مسلمؒ میں روایت ہے کہ آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے میرے لئے کل زمین کو لپیٹ دیا (یا سکیڑ دیا)۔ چنانچہ میں نے اس کے سب مشرق بھی دیکھ لئے اور تمام مغرب بھی۔ اور سن رکھو! کہ میری امت کی حکومت ان تمام علاقوں پر قائم ہو کر رہے گی جو مجھے لپیٹ کر یا سکیڑ کر دکھا دئے گئے!"

لہٰذا قرآن پر ایمان اور صحیح احادیث پر یقین رکھنے والے کسی انسان کو ہرگز شک نہیں ہو سکتا کہ قیامت سے قبل پوری دنیا میں اسلام کا غلبہ بالکل اسی طرح ہو گا جس طرح آنحضورؐ کے دور مبارک میں ہوا تھا ---- لیکن اس امر میں بھی ہرگز کسی شک کی گنجائش نہیں ہو سکتی کہ وہ "معجزہ" دوبارہ ہرگز رونما نہیں ہو سکتا کہ یہ مرحلہ کسی ایک ہی داعی کی دعوت اور انقلابی جدوجہد سے طے ہو جائے۔ اس لئے کہ اس معاملے میں "امتناع نظیر" یعنی آنحضورؐ کا بے مثل اور بے مثال ہونا آپؐ پر ختم نبوت اور تکمیل رسالت کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہے ------ لہٰذا اب ایک ہی صورت باقی رہ جاتی ہے یعنی یہ کہ یہ مہم مرحلہ وار سر ہو۔ اور پے بہ پے اور یکے بعد دیگرے ایسی "تحریکیں" اٹھیں جو اس کام کو درجہ بدرجہ بالکل اسی طرح آگے بڑھائیں جس طرح کا نقشہ سورۃ الانشقاق کی آیت نمبر ۱۹ میں سامنے آتا ہے' یعنی: "تم لازماً ترقی کرو گے درجہ بدرجہ یا ایک ایک سیڑھی کر کے!" اور جس کی عام فہم تمثیل اولمپک ٹارچ سے دی جا سکتی ہے جسے ایک کھلاڑی لے کر دوڑتا ہے' اور کچھ فاصلہ طے کر کے دوسرے کو تھما دیتا ہے' جو اسے کچھ دور اور لے جا کر تیسرے کے حوالے کر دیتا ہے ---- اور اس طرح شمع آگے بڑھتی رہتی ہے! ------ گویا وہ کام جو اس طرح چودہ سو سال قبل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں اور جانثاروں رضی اللہ عنہم نے صرف ایک انسانی زندگی کے مختصر عرصہ میں کر دکھایا تھا اب دوبارہ چار یا پانچ نسلوں میں بھی پایہ تکمیل کو پہنچ جائے تو بہت بڑی کامیابی ہو گی!

اب اگر یہ بات درست ہے' اور یقیناً درست ہے' تو اس کے کچھ لازمی اور منطقی نتائج بھی ہیں جن کو اچھی طرح سمجھ بھی لینا چاہیے اور ذہنی اعتبار سے قبول بھی کر لینا چاہیے' ورنہ شدید بددلی اور مایوسی کا سامنا ہو گا اور وہ یہ ہیں کہ:

(۱) اولین اور اہم ترین بات یہ کہ اس آخری داعی سے قبل جس کے ہاتھوں یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچے گا' جتنے بھی ابتدائی یا درمیانی داعی آئیں گے ان کے فکروفہم اور تصورات میں بھی کسی نہ کسی اعتبار سے نقص یا محدودیت ہو سکتی ہے' اور ان کے عزم و عزیمت' صبرومصابرت اور ہمت واستقامت میں بھی مختلف پہلوؤں سے ضعف یا کمی ہو سکتی ہے۔ تب ہی تو وہ آخری کامیابی سے قبل ہی کسی مقام تک پہنچ کر بے دم اور بے حال ہو کر رہ جائیں گے یا "عجلت پسندی" کے باعث کسی "شارٹ کٹ" کے "دام ہمرنگ زمین" میں پھنس کر رہ جائیں گے ------- لیکن ظاہر ہے کہ جب وہ ع "میرا سب کچھ مرے خدا کا ہے!" کے مصداق اور "اللہ کسی کو ذمہ دار نہیں ٹھہرائے گا مگر اس کی وسعت کے مطابق" (سورۃ بقرہ: ۲۸۶ اور چار مزید مقامات) کے قانون الٰہی کے مطابق اپنا سب کچھ اس کام میں لگا اور کھپا دیں گے تو چاہے دنیوی اعتبار سے بالفعل آخری منزل مراد یعنی غلبۂ دین تک نہ پہنچ پائیں عند اللہ سرخرو ہوں گے اور اخروی نجات وفلاح کے حقدار ہوں گے!

(۲) ان درمیانی "داعیوں" کے ساتھیوں اور اعوان وانصار میں سے بھی جہاں بہت سے لوگ ان داعیوں کی کم ہمتی کے باعث یا ع "کہ امیر کارواں میں نہیں خوئے دل نوازی!" کی شکایت کی بنا پر علیحدگی اختیار کریں گے وہاں بہت سے خود اپنی کم ہمتی اور کم کوشی یا ذاتی تکبر اور حسد کی بنا پر بھی علیحدہ ہوں گے ---- اور پھر ان میں سے بعض تو صرف عملی پسپائی ہی کی راہ اختیار کریں گے اور بعض زیادہ ذہین اور چالاک لوگ اپنی کم ہمتی کو چھپانے یا اپنے خبث باطن پر پردہ ڈالنے کے لئے فکری اعتبار سے بھی "رجعت قہقری" کا مظاہرہ کریں گے اور "انگور کھٹے ہیں" کی طرح اس انقلابی فکر ہی کو ناقابل اعتبار قرار دیں گے جس کی اساس پر جدوجہد شروع کی گئی تھی جبکہ حقیقت پسندی اور اولوالعزمی کا تقاضا یہ ہو گا کہ ان جملہ حقائق کو ذہن میں رکھتے ہوئے اور "گندم اگر بہم نہ شود بھس غنیمت است!" پر عمل کرتے ہوئے سفر کو جاری رکھا جائے اور اس پر تو غور وخوض مسلسل جاری رکھا جائے کہ ہم کسی غلطی کا ارتکاب تو نہیں کر رہے' یا ہم کہیں کوئی غلط موڑ تو نہیں مڑ آئے' لیکن صرف اپنی یا اپنے ساتھیوں کی "کم کوشی" کے باعث "مایوس" ہو کر کام سے دستکش نہ ہوا جائے (بقول اقبال ؎ "مایوس نہ ہو ان سے اے رہبر فرزانہ۔ کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی!" --- تاکہ حضرت یحییٰؑ کے ان الفاظ کے مطابق جو انہوں نے حضرت عیسیٰؑ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہے تھے کہ: "میں تو آنے والے کی راہ صاف کرنے والا ہوں!" ہر درمیانی داعی اور اس کے ساتھی اپنے بعد آنے والے کے لئے راہ بھی صاف تر کر دیں اور اس کے لئے کچھ نہ کچھ سازوسامان فراہم کر کے جائیں تاکہ اسے دوبارہ سارا کام ازسرنو ہی نہ شروع کرنا پڑے!

ان اصولی باتوں کو ذہن میں مستحضر رکھتے ہوئے اب حالیہ تاریخ پر نظر ڈالیے تو صاف نظر آ جائے گا کہ بیسویں صدی عیسوی "احیائے اسلام" کی صدی ہے۔ اور اس کے آغاز کے ساتھ ہی وہ عمل بھی شروع ہو گیا تھا جسے اسلام اور امت مسلمہ کے "ہمہ جہتی احیائی عمل" سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اور جو اس صدی کے ربع اول کے خاتمے کے بعد تو پوری شدت اختیار کر گیا تھا۔ اس "ہمہ جہتی احیائی عمل" کے دو محاذ نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے سے بالکل جدا تھے بلکہ ان کے تقاضے بعض اعتبارات سے ایک دوسرے سے بالکل متضاد بھی تھے ------ یعنی (۱) قومی اور عوامی محاذ ---- جس پر مغربی استعمار سے نجات حاصل کرنے کے لئے آزادی کی تحریکیں برسرعمل تھیں اور (۲) خالص احیائی محاذ ---- جس پر "تجدید واحیائے دین" کا معرکہ گرم تھا۔ برعظیم پاک وہند میں اول الذکر محاذ مسلم لیگ نے سنبھالا جس کی تاسیس ۱۹۰۶ء میں ہوئی اور کل اکتالیس برس کی جدوجہد سے اس نے پاکستان قائم کر کے برعظیم پاک وہند کے کم از کم دو تہائی مسلمانوں کو بیک وقت انگریزوں اور ہندوؤں دونوں کی غلامی سے نجات دلوا دی ---- جبکہ دوسرے محاذ پر پہلے "الہلال" اور "البلاغ" والے ابوالکلام آزاد اٹھے جنہوں نے ۱۹۱۳ء میں "حزب اللہ" قائم کی اور "حکومت الٰہیہ" کے قیام کی زوردار اذان دی لیکن ابھی لوگ جمع ہو ہی رہے تھے کہ بظاہر ذاتی "امامت" منعقد نہ ہونے کے باعث اور حقیقت میں ان اسباب کی بنا پر جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے

پوری بساط ہی لپیٹ کر رکھ دی ---- اس کے کچھ عرصے بعد مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم "تجدید واحیائے دین" کے داعیے اور "الجہاد فی الاسلام" کے ولولے کے ساتھ سامنے آئے (واضح رہے کہ یہ دونوں مولانا کی دو شہرہ آفاق تالیفات کے نام ہیں!) اور اس زوردار دعوت کے ساتھ "جماعت اسلامی" بھی قائم کردی اور اس میں اپنی "امامت وامارت" بھی نصب کر دی اور اس میں کوئی شک نہیں اس "احیائی محاذ" پر گرانقدر کامیابیاں حاصل کیں اور نمایاں پیشقدمی کا مظاہرہ کیا ---- لیکن ان سطور کے راقم کے نزدیک جماعت اسلامی بھی قیام پاکستان کے وقت "راہ بیبر" یعنی شارٹ کٹ کی بھول بھلیوں میں گم اور ملکی سیاست کی دلدل میں پھنس اور دھنس کر رہ گئی ---- اور اب ایک بار پھر ایسے باہمت لوگوں کی ضرورت ہے جو اس شمع کو تیسری نسل میں بھی نہ صرف یہ کہ روشن رکھیں بلکہ احیاء اسلام کی اس جدوجہد کو اور آگے بڑھانے کے لئے تن من دھن وقف کر دیں۔ اور یہ طرز عمل اختیار کریں کہ ۔

یہ فصل امیدوں کی ہمدم' اس بار بھی غارت جائے گی
سب محنت صبحوں شاموں کی' اب کے بھی اکارت جائے گی
دھرتی کے کونوں کھدروں میں ' پھر اپنے لہو کی کھاد بھرو!
پھر مٹی سینچو اشکوں سے' پھر اگلی رت کی فکر کرو!
پھر اگلی رت کی فکر کرو' جب پھر اک بار اجڑنا ہے
اک فصل پکی تو بھر پایا' تب تک تو یہی کچھ کرنا ہے!!

تقریباً پون صدی پر پھیلی ہوئی اس تاریخ میں اہم ترین' اور جامع ترین شخصیت علامہ اقبال کی ہے۔ ان کے بارے میں جس قدر غور کیا جائے حیرت بڑھتی چلی جاتی ہے کہ ع "ایسی چنگاری بھی یا رب اپنی خاکستر میں تھی!" چنانچہ ان کی یہ جامعیت" حیرت انگیز ہے کہ وہ واحد رہنما ہیں جو بیک وقت قومی اور احیائی دونوں محاذوں پر اس درجہ سرگرم عمل رہے کہ اگر ایک جانب وہ فکر اسلامی کے "مجدد" ہیں ("الٰہیات اسلامیہ کی تشکیل جدید" ان کے مقالات کا عنوان ہے) تو دوسری جانب تصور پاکستان کے "خالق" اور نظریہ پاکستان کے "موجد" بھی ہیں۔ اسی طرح وہ داعی الی القرآن بھی ہیں اور حکیم اسلام بھی اور اگرچہ " دعوت الی القرآن" کے میدان میں ' اس کے باوجود کہ اس کا آغاز کرنے والے وہی تھے ' بعد میں کچھ عرصہ زیادہ گھن گرج مولانا ابوالکلام کی سنائی دیتی رہی تھی ---- تاہم جہاں تک قرآن کے فلسفہ وحکمت کے بحر عمیق میں غواصی کا تعلق ہے تو اس میدان میں تو وہ بالکل تنہا ہیں اور ان کا کوئی دوسرا شریک یا مثیل ہے ہی نہیں!۔

مزید برآں جس طرح ڈیڑھ دو صدی قبل شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی نگاہ دوررس نے "ہند میں سرمایہ ملت کی نگہبانی" کے لئے احمد شاہ ابدالی کا انتخاب کیا تھا اور اسے ہندوستان آنے کی دعوت دی تھی صرف اسی طرح نہیں بلکہ اس سے بھی کہیں بڑھ کر حضرت علامہ کی عقابی نگاہ نے ایک جانب لندن میں جا بسنے والے محمد علی جناح کو "قومی ناخدا" کی حیثیت سے معین کیا' اور خود انہیں اس پہلو سے "خودشناسی" کا جوہر عطا کیا' اور دوسری جانب حیدر آباد (دکن) میں مقیم ابوالاعلیٰ مودودی کو "متکلم اسلام" ہونے کا اہل سمجھا اور انہیں اس خطے میں منتقل ہونے کی دعوت دی جس کے بارے میں ان کی چشم باطن اور نگاہ دوربین دیکھ چکی تھی کہ وہاں ایک آزاد مسلمان ریاست کا قیام "تقدیر الٰہی" ہے (۱۹۳۰ء کا خطبہ الہ آباد)

تاہم امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ ہی کی طرح علامہ اقبال بھی بنیادی طور پر صرف مفکر اور "مصور" تھے اور عملی جدوجہد کے میدان میں اتر کر جماعت بنانے اور تحریک برپا کرنے کو ان کے مزاج سے کوئی مناسبت نہیں تھی۔ چنانچہ انہوں نے عملی کام جو بھی تھوڑا بہت کیا وہ صرف قومی محاذ پر کیا' (اور وہ بھی ثانوی حیثیت میں!) --- احیائی میدان میں عملی طور پر یا خیری برادران اور علامہ مشرقی اترے یا مولانا آزاد اور مولانا مودودی ۔ ان میں سے بھی پہلے تین تو تاریخ کے اوراق اور ماضی کے دھندلکوں میں گم ہوچکے ہیں ' البتہ مولانا مودودی اس اعتبار سے زندہ ہیں کہ پاکستان اور بھارت میں تو ان کی قائم کردہ جماعتیں قائم اور موجود ہی نہیں فعال اور متحرک بھی ہیں۔ باقی رہیں ان کی تصانیف اور تالیفات تو ان کا شہرہ تو پورے عالم اسلامی ہی نہیں پوری دنیا میں ہے!

پاکستان میں مولانا مودودی کی قائم کردہ جماعت" "کونسی وادی میں ہے ' کونسی منزل میں ہے۔ عشق بلاخیز کا قافلہ سخت جاں!" کے مصداق کہاں کہاں سے ہوتی ہوئی اب کس مقام پر ہے اور اس پر تو مفصل گفتگو ہوچکی ہے۔ اس عرصے کے دوران جو لوگ اس قافلے سے علیحدہ ہوئے یا خارج کردئے گئے ان میں سے بھی بعض تو وہ ہیں جو اس کے بنیادی انقلابی فکر کو حرز جاں بنائے ہوئے اپنے فہم اور استعداد کے مطابق عملی جدوجہد میں مصروف و مشغول ہیں جن میں سے ایک ان سطور کا راقم بھی ہے' ---- لیکن بعض وہ بھی ہیں جو اب اس بنیادی انقلابی فکر ہی کو غلط قرار دے رہے ہیں ---- ان میں سے ایک بھارت میں ہیں یعنی مولانا وحید الدین خاں' جو بھارت کے سرکاری حلقوں اور بالخصوص بی جے پی اور آر ایس ایس کے منظور نظر ہیں ' اور ایک پاکستان میں ہیں یعنی علامہ جاوید احمد غامدی جن کا خصوصی ہدف اس وقت یہ خاکسار اور اس کے نظریات ہیں ---- لہٰذا اب "انقلاب نبویؐ" کے سلسلے کی تکمیل سے قبل ان کی تنقید کا جائزہ لیا جائے گا۔

کوئٹہ میں جلسہ خلافت

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

ان شاء اللہ ' ۲۲ر اکتوبر بروز جمعرات بعد نماز مغرب بمقام آڈیٹوریم گورنمنٹ سائنس کالج جناح روڈ "نظام خلافت کے موضوع پر تقریر فرمائیں گے۔

مزید برآں ۲۳ر اکتوبر کو جامع مسجد طوبیٰ میں نماز جمعہ سے قبل خطاب فرمائیں گے۔

وہی سانحہ دوہرایا تو نہیں جارہا؟

سندھ اور مشرقی پاکستان

جئے سندھ اور ایم کیو ایم کس کی ضرورت تھی!

محمد سمیع (کراچی)

قسط دوئم (سلسلہ کے لئے دیکھئے شمارہ ۳۳)

سقوط مشرقی پاکستان کے بعد چاہئے تو یہ تھا کہ حکمران اپنے رویئے میں تبدیلی پیدا کرتے اور وطن عزیز کے مختلف طبقات کے لوگوں کی جائز باتوں کو تسلیم کیا جاتا لیکن افسوس کہ ایسا نہیں ہوا۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے بنگلہ بندھو ہوتے ہوئے بھی بنگلہ دیش کے قیام کے بعد دوبارہ عام انتخابات کروائے لیکن ذوالفقار علی بھٹو اس پاکستان کے سویلین مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے کسی نئے مینڈیٹ کے بغیر بر سر اقتدار آئے جس کے لئے انہوں نے ایک نئی اصطلاح "نیا پاکستان" ایجاد کی تھی۔ حالانکہ ایوب خان کے مارشل لاء کے نتیجے میں اور یحییٰ خان کے مارشل لاء کے دور میں پاکستان دو لخت ہوا تھا۔

ان کے دور میں چند اچھے کام ہوئے لیکن نتائج اچھے برآمد نہ ہوئے۔ اس کی وجہ بظاہر ان کی ضرورت سے زیادہ تیز رفتاری تھی۔ انہوں نے پاکستان میں پچیس سال سے زیادہ عرصہ سے قائم سرمایہ دارانہ 'جاگیردارانہ نظام کو بظاہر راتوں رات سوشلزم کے نظام میں تبدیل کرنا چاہا۔ نجی اداروں کو قومی ملکیت میں لیا گیا پیشتر اس کے کہ ان اداروں کو چلانے کے لئے ایسے افراد تیار کئے جاتے جو قومی جذبہ رکھتے ہوں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ محنت کشوں نے کام کرنا چھوڑ دیا اور قومیائے گئے اداروں میں بیوروکریٹس نے سرمایہ داروں کی جگہ لے لی۔ ایک طرف صنعتی ترقی کی رفتار رک گئی تو دوسری جانب لوٹ کھسوٹ نے ان اداروں کو اندر سے کھوکھلا کردیا۔ نہ سرمایہ دار کو تحفظ رہا اور نہ سرمائے کو لہٰذا ملک میں سرمایہ کاری رک گئی۔

دوسری طرف ذوالفقار علی بھٹو تیسری دنیا کے لیڈر بننے کے چکر میں اتنے محو ہوگئے کہ ملک کی اندرونی صورتحال ان کی گرفت سے نکل گئی۔ انتخابات کا اعلان کیا گیا اور ان کے ٹیلنٹڈ رفقاء کار نے کچھ ضرورت سے زیادہ ہاتھ کی صفائی دکھا دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انتخابات کے نتائج نے خود ظاہر کردیا کہ دھاندلی ہوئی ہے۔ ملک کے سیاستدانوں نے صورتحال سے پورا فائدہ اٹھایا اور ۱۹۷۷ء کی عظیم تحریک برپا ہوئی جس کا نام اگر نظام مصطفیٰ تحریک کی بجائے بھٹو ہٹاؤ تحریک ہوتا تو ہرگز کامیاب نہ ہوتی۔ لیکن اگر بھٹو کے ساتھ ٹیلنٹڈ لوگ تھے تو اپوزیشن کے پاس بھی ایسے لوگوں کی کمی نہ تھی۔ لہٰذا تحریک تو کیا کامیاب ہوتی البتہ مارشل لاء ایک مرتبہ پھر کامیاب ہوگیا اور بھٹو جو مارشل لاء کے دوش پر آئے تھے مارشل لاء ہی کے زور پر نہ صرف نکالے گئے بلکہ تختہ دار تک پہنچائے گئے اور محنت کشوں کو دی گئی مراعات' قادیانیوں کو کافر قرار دینا اور ریس' جوئے اور شراب پر پابندی کے ساتھ ساتھ جمعہ کی چھٹی بھی ان کی حکومت کو چھٹی سے نہ بچا سکی بلکہ دنیا سے ہی ان کی چھٹی کرادی گئی۔

لیکن اب جو مارشل لاء آیا تھا وہ پچھلے دو مارشل لاؤں سے ان معنوں میں مختلف تھا کہ ضیاء الحق نے جس کے بارے میں ایک مرتبہ بھٹو نے یہ ریمارک پاس کیا تھا کہ میرے جانے کی صورت میں جو شخص بر سر اقتدار آئے گا وہ یا تو فرشتہ ہوگا یا راسپوٹین' اسلام کے نام پر گیارہ برس تک یونیفارم کے ساتھ حکومت کی۔ ضیاء الحق کے سامنے دو ہی مقاصد تھے' ایک تو اسلام کے نام پر اپنے اقتدار کو طول دینا دوسرے مخالف سیاسی جماعت یعنی پیپلزپارٹی کو کرش کرنا۔ لہٰذا ایک طرف معاشرے میں منافقت میں اضافہ ہوا تو دوسری جانب سندھ میں احساس محرومی میں شدید اضافہ ہوا کیونکہ سندھ میں پہلی بار ایک انقلابی لیڈر پیدا ہوا تھا جس سے سندھیوں نے بڑی امیدیں وابستہ کرلی تھیں لیکن آخر کار اسے پھانسی دے دی گئی۔

سندھ کو اپنی گرفت میں رکھنے کے لئے ایک طرف ضیاء الحق نے سندھی وڈیروں کو اپنے ساتھ ملایا تو دوسری جانب سندھی قوم پرست تحریک جئے سندھ پر دست شفقت رکھا۔ اگر چیکہ سندھ میں جئے سندھ تحریک کو اب بھی کوئی قابل ذکر مقام حاصل نہیں لیکن اس کے اثر رسوخ میں جو بھی اضافہ ہوا ہے وہ ضیاء الحق کے دور میں ہوا۔ سندھیوں کو اگرچہ ضیاء الحق اپنے دام میں لینے میں کامیاب ہوگیا تھا لیکن اسے اس کا احساس تھا کہ ماضی میں حکومت مخالف تحریکیں کراچی سے اٹھتی رہی ہیں لہٰذا اس نے کراچی کا زور توڑنے کے لئے ایم کیو ایم بنوائی جس کے نتیجے میں اس شہر میں متعدد فسادات ہوئے اور کراچی کے شہریوں کے مختلف طبقوں میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت کا بیج بودیا گیا۔ اب ضیاء الحق کے لئے راستہ صاف ہوگیا تھا کیونکہ کراچی شہر سے حکومت مخالف تحریک اٹھنے کے امکانات معدوم ہوگئے۔

لیکن ضیاء الحق کو افغانستان کا مسئلہ لے ڈوبا اور ایک سازش کے تحت اس کو اور فوج کے متعدد سینئر افسروں کو طیارے کے حادثہ کا شکار ہونا پڑا۔ ضیاء الحق کے جانے کے بعد فوج کی نگرانی ہی میں عام انتخابات ہوئے جبکہ ضیاء الحق نے کہا تھا کہ وہ اپنی زندگی میں سیاسی بنیادوں پر عام انتخابات کروانے کے حق میں نہیں۔ افسوس کہ زکوٰۃ و حدود آرڈیننس' شریعت کورٹ جیسے نمائشی اور آرائشی اقدامات اور جہاد افغانستان بھی ان کو بچانے میں کامیاب نہ ہوسکے اس لئے کہ انہوں نے ان لوگوں سے دین کا کام لینے کی کوشش کی تھی جن کی دین دشمنی روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ (جاری ہے)

اس بار سامعین کو مقررین سے سوالات کی بھی اجازت تھی

سیاست خلافت پر چوتھا مذاکرہ

رپورٹ: ریاض الحق

آئندہ خلافت کے اقتصادی نظام پر گفتگو ہوگی

جمعہ ۱۶ر اکتوبر کو حسب معمول بعد نماز مغرب قرآن آڈیٹوریم' اتاترک بلاک' گارڈن ٹاؤن' لاہور میں سیاست خلافت پر ماہانہ مذاکرہ اپنی روایتی شان سے منعقد ہوا۔ اس دفعہ مقررین کی تعداد کو بہت محدود رکھا گیا تھا تاکہ انہیں کہنے سننے کا بھرپور موقع ملے اور اس پر یہ اضافہ بھی کیا گیا کہ سامعین کو مقررین سے اپنے سوالات کے جواب حاصل کرنے کا موقع بھی دیا جائے۔ ڈاکٹر عارف رشید نے سورۂ حم سجدہ سے ایک رکوع کی خوبصورت تلاوت سے مذاکرے کا آغاز کیا' جس کے بعد امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے بہت مختصر وقت میں حاضرین کو موضوع سے متعارف کرایا اور پھر دونوں فاضل مقررین کی بھی ستائش کی جن میں سے پہلے یعنی مفتی محمد خان قادری صاحب کے اس رویہ کا انہوں نے خاص طور پر ذکر کیا جو علماء میں بالعموم پایا نہیں جاتا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ قادری صاحب نے پوری توجہ سے میری تحریر پڑھی اور اس پر نقد و نظر کا حق ادا کیا ہے۔ خاص بات یہ کہ انہوں نے ادھر ادھر کی باتیں کرنے کی بجائے موضوع زیر بحث پر غور و فکر کیا اور پھر اپنے اتفاق یا اختلاف کو دلیل اور برہان کے ساتھ بڑے سلیقے سے پیش کیا ہے۔ دوسرے مقرر پروفیسر عبدالحمید کمالی کے بارے میں بتایا کہ ان سے ہفتہ بھر پہلے ہی تعارف ہوا ہے تو پتہ چلا کہ وہ وطن عزیز کے ان گنے چنے دانشوروں میں سے ایک ہیں جنہوں نے زندگی بھر پتہ مار کے کام کیا لیکن ناموری کے لئے کبھی کوئی ہنگامہ کھڑا نہیں کیا۔ وہ زندگی بھر تعلیم و تعلم سے وابستہ رہے' اقبال اکیڈمی میں ڈپٹی ڈائریکٹر اور پھر ڈائریکٹر کے طور پر کام کیا جب تک وہ کراچی میں تھی۔ کمالی صاحب اسلامی ریاست کے موضوع پر دو نہایت وقیع کتابوں کے مصنف ہیں جو نیشنل بک فاؤنڈیشن نے شائع کی ہیں اور حال ہی میں بزم اقبال لاہور نے بھی ان کے بلند پایا علمی مقالات کا مجموعہ شائع کیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے یہ اعلان بھی کیا کہ سیاست خلافت پر یہ آخری سیمینار ہے کیونکہ اگلے سیمینار کا موضوع خلافت کا اقتصادی نظام ہوگا۔ آئندہ یہ سیمینار مہینے کے تیسرے جمعہ کی بجائے پہلے جمعہ کو منعقد ہوا کریں گے۔ بعد ازاں سٹیج سیکرٹری ڈاکٹر ابصار احمد صاحب نے مفتی محمد خان قادری صاحب کو دعوت خطاب دی جنہوں نے اس وضاحت کے ساتھ کہ وہ تقریر کی بجائے جو مقالہ پیش کر رہے ہیں' اس کی تیاری میں ان کے رفیق کار جناب محمد خلیل الرحمٰن قادری صاحب بھی شریک رہے ہیں جو اس وقت سٹیج پر ہی تشریف رکھتے تھے۔ قادری صاحبان کے مقالے کا خلاصہ چند سطروں میں بیان نہیں کیا جاسکتا اور ادارہ "ندائے خلافت" کا ارادہ ہے کہ اسے کسی آئندہ موقع پر جوں کا توں شائع کیا جائے۔

قادری صاحب کا مقالہ حاضرین نے حد درجہ توجہ اور انہماک کے ساتھ سنا حالانکہ گھنٹے بھر کا ایک علمی مقالہ سننا دو گھنٹے کا خطاب سننے سے بھی زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ انکے بعد واحد اگلے مقرر پروفیسر کمالی تھے جنہوں نے اپنی گفتگو کا آغاز بڑی ہی بے تکلفی سے کیا۔ لگتا تھا کہ اپنی کسی کلاس کو کوئی نیا سبق دے رہے ہیں۔

پروفیسر صاحب نے فرمایا " اس بات کا سہرا ڈاکٹر اسرار احمد کے سر ہے کہ انہوں نے ان مباحث کے ذریعے ایک اچھی روایت ڈالی ہے اور مجھے کافی عرصہ بعد ایسی علمی محفل میں شرکت کا موقعہ ملا ہے " پھر کہا کہ ڈاکٹر صاحب نے قرآن مجید میں قانونی اور اخلاقی تعلیمات کا فرق بیان کیا ہے۔ یہ نازک سا مسئلہ ہے کہ کونسی قرآنی تعلیمات اخلاقی ہیں اور کونسی قانونی۔ میرا خیال ہے کہ اس قسم کی تقسیم کرنا بہت مشکل ہے۔ سیاسی' معاشی' ثقافتی اداروں کا جو ارتقاء ہوا ہے وہ اس طرح کہ لوگوں نے اخلاقی تعلیمات کو قانون سازی کے لئے استعمال کیا اور ادارے آگے بڑھتے رہے۔ حکومتی اور سیاسی اداروں کا دائرہ بھی اسی طرح وسیع ہوتا گیا۔ اللہ نے قرآن مجید میں فرمایا کہ جس نے اس دنیا اور اس کی زینت کا ارادہ کیا ہم اس کے اعمال اس کو لوٹا دیں گے اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ گویا وہ اس دنیا میں کامیابی سے ہمکنار ہوگا اور اس کے اعمال (آخرت کے لئے) باطل کردئے جائیں گے' کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ کوئی اخلاقی نصیحت ہے

حکم کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی نافرمانی پر سزا ملے گی یہ صرف اخلاقی تعلیم نہیں بلکہ سیاسی تعلیم بھی اور وہ تعلیم ہے جو آپ کے دستور میں موجود ہے۔ اگر آپ بہت سی باتوں کو اخلاقی کہہ دیں تو پھر چاہے ان پر عمل کریں یا نہیں۔ اب آپ اپنی عقل کے ذریعے سوچیں کہ کونسے قرآنی احکامات ہیں جن کو تھانے اور سیاسی اداروں کے ذریعے نافذ کریں گے اور کونسے لوگ باہم آپس میں ہی طے کرلیں گے۔ یہ زمانے اور وقت کی بات ہوتی ہے کہ کونسی تعلیم ابھی آپ نے اخلاقی سطح پر چھوڑی ہوئی ہے اور کونسی قانون کے درجے میں لے آئے ہیں۔ یہی چیز قانون' دستور اور

دستوری ارتقاء کی روح ہے۔

اگرچہ ڈاکٹر صاحب کا انداز بیان بہت اعلیٰ ہے لیکن اس کی مزید وضاحت کی ضرورت ہے کہ جہاں تک قومیت کا اور ریاست کا تعلق ہے تو قومیت اور ریاست دو علیحدہ چیزیں ہیں ۔ ریاست انسانی ضرورتوں کی پیداوار ہے ۔ سیاسی اور ریاستی نظام کے اندر جو اقتدار ہوتا ہے ' وہ ایک متعین چیز ہے ۔ اسلامی ریاست یہ ہے کہ وہ اپنے اقتدار کو اس طرح چلائیں گے کہ جو رہنمائی اللہ اور اس کے رسولؐ نے دی ہے اس پر عمل ہوگا۔ ایک ریاست میں حقوق ایک جیسے ہوتے ہیں لیکن فرائض مختلف ہوتے ہیں مثلاً ایک ریاست میں اگر اسی فی صد مسلمان ہیں تو ان کی ذمہ داری ۲۰ فی صد غیر مسلموں سے زیادہ ہوگی ' تاہم ان کے حقوق ایک جیسے ہونگے ۔ غیر مسلموں کو رائے دینے اور پارلیمینٹ میں بیٹھنے کا حق ہوگا۔ پارلیمینٹ میں کوئی نیا مذہب تو نہیں بنتا کہ ان کی غلط رائے آجائے گی ۔ یہ اصول اور عقیدے کی بات نہیں ' عملی بات ہے ۔ آپ اگر ایک قانون مثلاً ہاتھ کاٹنے کا قانون بناتے ہیں تو اس کی حکمت انہیں سمجھائیں اور ان کو بات کرنے کا موقع دیں کیونکہ اگر آپ کہتے ہیں کہ ہمارا قانون اعلیٰ ہے تو اس میں کوئی حکمت بھی ضرور ہے ۔ پھر اس قانون نے تو آپ کی اکثریت سے پاس ہو ہی جانا ہے تاہم اگر آپ غیر مسلموں کو پارلیمینٹ کے اندر بات کا موقعہ نہیں دیں گے تو وہ باہر آکر بولیں گے ۔ اقلیت کو اس کے حقوق دیں کیونکہ قائداعظم نے کہا تھا کہ جوائنٹ پارلیمینٹ سسٹم ہو تو وہ کامیاب ہوگا۔ اقلیتوں کی سیٹیں مقرر نہیں ہونی چاہئیں بلکہ کھلی ہونی چاہئیں ' اگر کچھ قادیانی یا عیسائی آجائیں تو کوئی حرج نہیں۔

اس معاملے سے البتہ مجھے اتفاق ہے کہ کسی غیر مسلم کو مملکت کا سربراہ نہ بناؤ اور کوئی کلیدی عہدہ نہ دو کیونکہ وہ ان کی ذمہ داری نباہ نہیں سکے گا اور ڈرتا رہے گا کہ اگر اپنے طور پر کوئی فیصلہ کروں گا تو لوگ غداری کا الزام لگادیں گے ۔ محفوظ اقلیت کا تصور جو ہم سماجی طور پر شروع کرنا چاہتے ہیں ' وہ صحیح نہیں ۔ شروع میں جب اسلام کی فتوحات ہوئیں ' ان میں اقلیتوں سے جزیہ لے کر چھوڑ دیا جاتا کہ جو چاہے کرو حالانکہ انگریز جب ہندوستان میں آئے تو انہوں نے پارسیوں میں جو گھر میں انتہائی قریبی رشتہ دار سے شادی ہوتی تھی وہ منع کردی اور اسی طرح ہندوؤں میں ستی کی رسم ختم کردی کیونکہ کچھ باتیں عالمی اخلاقیات کے خلاف ہوتی ہیں ۔ لہٰذا اقلیتوں کے زیادہ حقوق کے بارے میں سوچا جانا چاہئے۔

اس کے بعد آپ پارلیمینٹ کے اوپر بارہ یا اتنے ججوں کو بالادستی دے رہے ہیں کہ وہ پارلیمینٹ کے فیصلے کو بھی مسترد کردیں۔ اگر یہ آخری ادارہ اسلام یا غیر اسلام کا فیصلہ کرنے والا ہو تو ہمارا سارا اسلام ان دس بارہ آدمیوں کے ہاتھ میں آجائے گا ۔ اس صورت حال سے بچنا ضروری ہے ۔ مفتی صاحب نے بھی ایک تجویز پیش کی اور وہ ریفرنڈم کی ہے' یا تو ریفرنڈم کرائیں ' یا پارلیمینٹ توڑ کر پھر عوام سے کہیں کہ اپنے نمائندے دوبارہ منتخب کریں ۔ آخری فیصلہ ۱۲ ججوں پر نہیں بلکہ آپ پر ہے ۔ ایران میں پارلیمینٹ کے اوپر آیت اللاؤں کی کونسل ہے جس میں زراعت کے بارے میں ایک فیصلہ پیش ہوا تو آدھے علماء ادھر ہوگئے آدھے ادھر چنانچہ پارلیمینٹ کا فیصلہ معطل ہوگیا ۔ اللہ نے متعدد بار فرمایا کہ ہر آدمی اپنا بوجھ خود اٹھائے گا جس میں سیاسی اور سماجی بوجھ بھی ہے ۔ ہر آدمی کو فیصلہ کرنا ہوگا اسی سے جمہوریت کا اصول نکلتا ہے ۔

ڈاکٹر صاحب نے جس بہتر انداز میں اپنا موقف بیان کیا ہے میں اس کی تعریف کا حق ادا نہیں کرسکتا ۔ تعریف اتنی ہی کافی ہے کہ ہمیں انہوں نے بہت سے اچھے نکات دئے کہ پہلے ایک شخص خلیفہ ہوتا تھا ' اب عوام کو یہ حق ہے۔ یہ دروازہ سیاسی پارٹیوں نے نہیں کھولا بلکہ ایک عالم "ڈاکٹر صاحب" نے کھولا ہے اس لئے کہ انہیں روایتی سیاست سے دلچسپی نہیں بلکہ وہ ہمارے اور آنے والی نسلوں کے خیر خواہ ہیں ۔ ان باتوں کو لیں اور غور و فکر کریں ' مستقبل سے کبھی مایوس نہ ہوں ۔ میں شکر گزار ہوں کہ آپ نے سنا اور ڈاکٹر صاحب کا خاص طور پر شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے مختصر تعارف کے بعد یہ عزت بخشی۔

سوالات کا دور شروع ہوا تو حسب ترتیب پہلے مفتی محمد خان قادری صاحب کو سامنے آنا پڑا ۔ سامعین کی طرف سے بڑے منظم انداز میں انہیں تحریری طور پر جو سوالات پیش کئے گئے ' وہ جوابات سمیت حسب ذیل ہیں :-

○ س آپ کی وضاحت کے مطابق خلیفۃ اللہ خاصۂ نبوت ہے اور آئندہ کے لئے اصطلاح خلیفۃ الرسول ہے 'کیا یہ قرآن حکیم کی اصطلاح ہے یا صرف حضرت ابوبکر کا قول ہے؟

☆ ج میں نے تائیداً" بات کہی تھی ورنہ قرآن مجید کے مطالعہ کے بعد واضح ہوتا ہے کہ اس مضمون کی متعدد آیات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریعی حیثیت بیان کی گئی ہے ۔ امام ابن

آئندہ شمارے میں دیکھئے

محمد خلیل الرحمٰن قادری صاحب کا مقالہ

"علامہ طاہر القادری کے پیش کردہ نظام بنکاری کا تحقیقی جائزہ"

ایک سنجیدہ تحریر جس میں موجودہ بنکاری کی متبادل شکلوں کی حقیقت بیان کی گئی ہے جو کئی حلقوں کی طرف سے پیش کئے گئے لیکن اب طاہر القادری صاحب نے جنہیں اپنے کھاتے میں ڈال لیا ہے۔

تیمیہ" نے کہا "فاقامہ اللہ تعالی فی مقامہ فی امرہ و نہیہ" یعنی جتنے اوامر و نواہی ہیں ' اللہ نے ان کی مظہریت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نائب بنادیا ہے ۔ قرآن مجید میں اس طرح کی آیات سینکڑوں ہیں بلکہ ایسی آیات بھی جن میں اللہ اور اس کے رسولؐ کا ذکر ہے اور ان کی طرف ضمیر واحد کو لوٹا دیا گیا ہے "واللہ و رسولہ احق ان یرضوہ" یہاں تک بھی اس چیز کو بیان کیا گیا ہے ۔ پھر شریعت کے حوالے سے قرآن نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اللہ کی اطاعت کا تصور نبی کی اطاعت کے بغیر کوئی ہے ہی نہیں ۔

خلیفۃ اللہ کا تصور اگر آپ عام بنادیں گے تو ان میں سے ہر ایک قرآن کی تشریح کرسکتا ہے ۔ قرآن حکیم نے واضح کردیا ہے کہ ہم نے قرآن مجید صرف آپؐ پر نازل ہی نہیں کیا بلکہ اس کی تمام تشریحات تقاضے اور اس کا بیان بھی حضور علیہ السلام کی ذمہ داری ہے ۔ سورۃ القیامیہ میں ثم ان علینا بیانہ کے الفاظ موجود ہیں ۔ پھر دیگر مقامات پر بھی یہ الفاظ موجود ہیں ۔ تو اگر آپ خلیفۃ اللہ کا تصور ہر انسان کے بارے میں دیں گے یا ہر مسلم حکمران کے بارے میں تو حضور علیہ السلام کی شارع ہونے کی جو حیثیت ہے ' ایک مقنن اور سنت کے مستقل ماخذ ہونے کی حیثیت ہے ' وہ کہاں چلی جائے گی !۔

○ س اگر آپ نفاذ نظام خلافت میں ڈاکٹر صاحب سے متفق ہیں تو ڈاکٹر صاحب کے دست و بازو بننے میں کیا چیز مانع ہے؟

☆ ج ہم ڈاکٹر صاحب کے پاس حاضر ہوئے ہیں اور جو کچھ ہمیں اس سلسلے میں انہوں نے فرمایا ' پھر جو کچھ ہم سے ہوسکا ہے وہ کیا ہے ۔ اب اس سے بڑھ کر تعاون کیا ہوسکتا ہے! علمی معاملات میں یا آئندہ بھی ڈاکٹر صاحب نے کسی معاملے میں یاد فرمایا تو ہم تعاونوا علی البر والتقوٰی کے تحت حاضر ہیں ۔

○ س اگر ریفرنڈم کے مجوزہ طریق کار پر عوام کسی خلاف قرآن و سنت قانون کو پاس کردیں تو پھر کیا ہوگا؟

☆ ج ہم نے اس مسئلہ کا اعلیٰ اختیار اس عدالت کو دیا ہے جو پارلیمنٹ کے اوپر قائم ہوگی ۔ ہم عوام کو اس کا حق نہیں دے رہے کیونکہ خاص طور پر دینی مسائل ان کا میدان ہی نہیں ۔

○ س آپ نے صدارتی وفاقی نظام کو اپنے دل کی آواز کہا پھر خود ہی پاکستانی آئین کی تاریخ کا جائزہ لیتے ہوئے صدارتی نظام کی خامیاں گنوا کر اس نظام کے ناکام ہونے کا اعتراف کرلیا ۔ کیا اس میں تضاد نہیں؟

☆ ج ایسی تو کوئی بات نہیں ۔ صدارتی نظام کی خامیاں تو نہیں ' ہم نے جو بیان کیا وہ یہ تھا کہ پارلیمانی نظام میں یہ یہ کمیاں اور اور کوتاہیاں ہیں ۔ ہم از خود صدارتی نظام کی طرف جارہے ہیں ۔ صدارتی وفاقی نظام ایک الگ موضوع ہے جس پر ہم نے ایک مقالہ لکھا ہے ' کسی وقت موقعہ ہوا تو یہیں پیش کردیں گے ورنہ باقاعدہ اخبارات میں اشاعت کے لئے بھیجیں گے ۔

○ س آپ نے کہا کہ اسلامی قوانین کا مسودہ تیار کر کے اسمبلی کو پیش کرنا چاہئے لیکن اگر اسمبلی یا پارلیمنٹ کے ارکان اسلام سے باغی ہوں تو ایسے اسلامی قوانین کے مسودے کو کیسے پاس کردیا جائے گا جب کہ موجودہ اسمبلی میں ماشاء اللہ ایسے لوگ موجود ہیں جو اسلام کا صرف لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں؟

☆ ج میرا خیال ہے کہ اس کا جواب مقالے میں آگیا ہے ۔ مقننہ اور شوریٰ کے اوصاف میں نے قرآن کی آیات کے حوالے سے بیان کئے ہیں ' ہر ایک کو تو منتخب کر کے وہاں بھیجا نہیں جاسکتا بلکہ ان کے خاص اوصاف ہونگے ۔

○ س ۱۹۸۵ء کے آئین میں جو ترمیم نافذ کی گئی تھی جس میں یہ تھا کہ صدر جب چاہے اسمبلی توڑ سکتا ہے ۔ کیا یہ ملک کے مفاد میں ہے؟

☆ ج ہم نے جو گفتگو کی اس میں شاید اس بات کا ذکر زیادہ نہیں آیا ۔ ہماری رائے یہ ہے کہ وہ کابینہ توڑ سکتا ہے ۔ اسمبلی توڑنا اس کے لئے مناسب نہیں ورنہ جس طرح یہ بحران پیدا ہوتے رہے ہیں اسی طرح پیدا ہوتے رہیں گے ۔ باقی صدر اور وزیراعظم کا جو معاملہ ہے اس میں کوئی درمیانی راہ نکالنی ہوگی ۔

○ س ایک بات یہ تھی کہ غالب اکثریت کی بنا پر پرسنل لاء نافذ کیا جائے ' کیا کتاب و سنت پر مبنی نظام جو چوتھی صدی ہجری سے پہلے نافذ تھا یعنی امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ سے پہلے سو سال رائج رہا ہے وہ امت کے لئے کافی نہ ہوگا؟

☆ ج اس سلسلے میں جمہوری روح کے مطابق اپنی رائے دی ہے مجھے اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی بلکہ میں تو اس رائے کا حامی بھی ہوں ۔ لیکن یہ قبل از وقت بات ہے کہ اگر چاروں فقہوں میں غور و فکر کر کے ان معاملات میں جو کتاب و سنت کے زیادہ قریب ہیں ' وحدت پیدا کرسکیں اور ایک ہی فقہ اور ایک ہی نظام نافذ ہوسکے تو اس میں کوئی اعتراض نہیں ۔ ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ جو معاملات فوری ہیں ان کو بہتر طریقے سے کس طرح نبھایا جاسکتا ہے ۔ اور وہ صورت یہی ہے کہ اکثریت کو جو نظام قبول ہے ' وہ نافذ کردیا جائے تاکہ بہتر صورت پیدا ہو ۔ آہستہ آہستہ جب علم کی روشنی پھیل جائے گی اور لوگ ان معاملات سے آگاہ ہوجائیں گے اور شعوری سطح پر بالغ ہوجائیں گے تو میں سمجھتا ہوں کہ شاید وہ ہر ایک کی آواز بن جائے ' بجائے اس کے کہ ہم ایک کو لیں اور دوسرے کو چھوڑ دیں ۔ یہ تمام کام اسلامی ہیں اور ہر ایک نے اسلام کی خدمت کی ہے ' بلکہ بڑھ چڑھ کر خدمت کی ہے ۔ جس کا موقف بھی کتاب و سنت کے زیادہ قریب ہو اس کو لینے میں کوئی حرج نہیں۔

پھر پروفیسر کمالی کو زحمت دی گئی کہ سامعین کی الجھنوں کا حل پیش کریں۔ ان سے پوچھے گئے سوالات اور کمالی صاحب کے جوابات یہ تھے :۔

○ س آپ نے فرمایا کہ ریاست میں سب کے حقوق برابر ہوں گے ' ساتھ ہی آپ نے فرمایا کہ کلیدی عہدے اقلیتوں کو نہ دیں ' دونوں باتیں متضاد ہیں۔ اگر ان کو کلیدی عہدے نہ دئے جائیں تو حقوق کیسے برابر ہوئے؟

☆ ج ایمان داری کی بات یہ ہے کہ میں نے مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لئے بات کہی ہے ' عملاً اس کا قائل نہیں ہوں کیونکہ میں عملی سیاست کے نقطہ نظر سے دیکھتا ہوں ' یہ مسلمانوں کے دینی مفادات ہیں اور کیا وہ کسی غیر مسلم کے ہاتھ میں اپنے مفادات دیں گے ؟ یقیناً نہیں دیں گے ' لیکن مسلمان کو ہر چیز لکھی ہوئی چاہئے ۔ اس لئے میں نے کہہ دیا کہ چلو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ۔ عملی بات یہ ہے کہ ان کو نہیں ملیں گے ۔ اگر میرے ہاتھ سے دستور بنے اور آپ لوگ قبول کرلیں تو میں یہ الفاظ نہیں لکھوں گا۔

○ س آپ نے فرمایا ہے کہ اجتہاد کا حق عدلیہ کی بجائے عوام کو دیا جائے جبکہ بمنوائے آیت قرآنی اکثریت نہ جاننے والوں کی ہے ۔ کیا اس سے شریعت باز بچہ ء اطفال نہیں بن جائے گی؟

☆ ج سارے عمل کے اصل میں دو پہلو ہیں '

ایک ہے اجتہاد دوسرا ہے اجماع ۔ اجتہاد علماء کریں گے لیکن مختلف علماء کے اجتہاد میں سے جس پر عوام متفق ہو جائیں وہ اجماع ہوا۔

○ س آپ نے فرمایا کہ غیر مسلموں کو ریاست کے معاملات کے بارے میں اظہار رائے کا موقعہ دینا چاہیے ۔ جب ایک غیر مسلم کو چور کے ' ہاتھ کاٹنے کی حکمت کے بارے میں پتہ ہی نہیں اور وہ اس کا پس منظر بھی نہیں جانتا تو ہم کیسے اس کو فیصلوں پر اثر انداز ہونے کا موقعہ دے سکتے ہیں؟۔

☆ ج آپ کا دین کسی حکم پر مبنی نہیں بلکہ کسی حکم کی مصلحت پر مبنی ہے ۔ آپ کے علماء آپ کو مصلحتیں سمجھاتے ہیں ۔ آپ کبھی غیر مسلم کے سامنے مصلحت رکھیں تو وہ مسلمان ہوجائے گا ۔ آپ اس کو بحث کرنے کا موقعہ دیں گے تو یہ عزت افزائی اس کو قریب لانے میں مدد دے گی ۔ اگر وہ آپ سے اتفاق نہیں کرتا تو جہاں تک ملک کا تعلق ہے ' آپ اکثریت سے اپنا فیصلہ چلائیں گے ۔ لیکن اگر آپ اسے موقعہ نہیں دیں گے تو اسے شکایت رہے گی کہ آپ نے اس کی بات نہیں سنی ۔ اثر انداز ہونے کے لئے ہم نہیں کہہ رہے بلکہ یہ کہہ رہے ہیں کہ اس کو پورا موقعہ دو ۔ ممکن ہے اس کی کوئی بات آپ کو پسند آجائے کہ اس قانون میں ہم یہ رعایت کریں گے ۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ آپ سے بحث کرتے کرتے اسلام کے قریب آجائے۔ تو آپ سڑک ' پارلیمنٹ اور اخبار میں بحث کا دروازہ کھلا رکھیں---- سب کو بات کرنے کا موقع دیں کہ اگر ہمارا کوئی قانون ہاتھ کاٹنے کا ہے تو اس کی یہ خوبی اور یہ شرائط ہیں۔ وہ بھی انسان ہے ' اسے بولنے اور سوچنے کا موقعہ دیں کہ اسلام ایک دین ہے جو اللہ کی طرف سے آیا ہے۔ جو احکام اس میں ہیں ان کی مصلحتوں کو بھی سامنے آنے دیجئے ۔ وہ ساری باتیں آپ کے فائدے میں جائیں گی ۔ اس عمل کو روک کر جتنے کام ہونگے وہ آپ کے نقصان میں جائیں گے ۔

○ س سورۂ رعد کی آیت نمبر ۵۵ یا ۵۶ کا ترجمہ ہے کہ غیر مسلم مسلمانوں کے دوست نہیں ہوسکتے۔ بفرض محال اگر برابر حقوق کی بنا پر چیف آف دی آرمی سٹاف بنا دیا جائے تو دفاعی راز داری کا کیا بنے گا؟

☆ ج ہاں یہ صحیح ہے کہ وہ آپ کے اتنے زیادہ دوست تو نہیں ہوسکتے کہ آپ کے دینی مفاد کی حفاظت کریں ۔ آپ کی جان یا گھر کی حفاظت کر لیں گے لیکن اگر آپ کا آخری مفاد دین ہے تو یقیناً وہ اس کی حفاظت نہیں کریں گے ۔ جس آیت کا حوالہ آپ نے دیا ہے وہ عام سی بات نہیں بلکہ بہت گہرے مطالب کی حامل ہے ۔ اس کو اس گہرے مطلب کے ساتھ لیا جائے ۔ کبھی بھی کوئی غیر مسلم آپ کا ان معنوں میں حقیقی دوست نہیں ہوسکتا جن میں اس آیت کے مطالب لئے جارہے ہیں چاہے وہ آپ کا کتنا ہی قریبی رشتہ دار مثلاً بہن بھائی ماں باپ ہی کیوں نہ ہو ۔ البتہ دوسرے معنوں میں آپ کی جان یا مال کی حفاظت کرسکتا ہے ۔

○ س آپ نے فرمایا کہ قرآن مجید کی تعلیمات میں قانونی اور اخلاقی کی تقسیم کرنا درست نہیں ہے ۔ لیکن کیا بعض معاملات میں یہ ضروری نہیں ہوجاتا مثلاً ایک جگہ فرمایا کہ جو مال بھی تمہاری ضروریات سے زائد ہو وہ خرچ کرو **قل العفو** " لیکن دوسری طرف فرمایا کہ زکوٰۃ دو جو کہ ڈھائی فی صد سالانہ ہے ۔ گویا زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد خرچ کرنا ضروری نہیں ہے اور اس مال کو بچا کر رکھا جاسکتا ہے ۔ یہاں یہ بتانا پڑے گا کہ **قل العفو** کا حکم قانونی نہیں بلکہ اخلاقی ہے جبکہ زکوٰۃ کا حکم قانونی ہے ۔ اس نوع کی اور مثالیں بھی دی جاسکتی ہیں ۔

☆ ج ایسا ہے کہ آپ نے اگرچہ یہ ایک چھوٹا سا مضمون لکھا (سوال صدر مجلس ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی طرف سے آیا تھا) لیکن یہ بہت اہم موضوع پر لکھا ہے ۔ اب مضمون کا جواب بھی مضمون سے ہی دیا جاسکتا ہے ' اس کے بغیر ممکن نہیں ۔ میں نے صرف یہ کہا ہے کہ قرآن شریف کے بہت سے بیانات کے اندر اخلاقی اور قانونی احکام کی تقسیم کرنا بہت مشکل ہے ۔ دوسرے قانون کا ارتقاء اس طرح سے ہوا ہے کہ جب معاشرہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اخلاقی سطح کی چیزوں کو قانونی بنا دینا چاہئے تو قانون آگے بڑھتا ہے ۔ یہ کوئی مستقل تقسیم نہیں بلکہ اضافی تقسیم ہے اور ضرورت کے مطابق ہے ۔ باقی مقالے کا جواب مقالے سے ہی ہوگا۔

ماہنامہ میثاق لاہور
کی اشاعتِ خصوصی ۔ بابت اکتوبر ۱۹۹۲ء
مضامین کی جھلک
● جماعتِ اسلامی کی تاریخ کا تیسرا اور شدید ترین بحران
● پس منظر ● تجزیہ ● تبصرہ ——— اور ● مشورے
● اسلام اور پاکستان کی موجودہ سیاسی کشمکش
اس میں مذہبی جماعتوں کا کردار اور اس کا متوقع نتیجہ!
● مولانا مودودی مرحوم اور میں
تمام تحریریں ازقلم ڈاکٹر اسرار احمد امیر تنظیم اسلامی
● صفحات ۱۲۸ ● اس شمارے کی قیمت ۱۰/- (سالانہ زرتعاون ۵۰/-)
منگوانے کے پتے (۱) مرکز تنظیم اسلامی، ۶۷۔اے، علامہ اقبال روڈ۔ گڑھی شاہو لاہور
(۱۱) مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶۔کے، ماڈل ٹاؤن لاہور

"السلام علیکم" ترکی کے شہروں میں اجنبیت کی علامت ہے

ایا صوفیہ گرجا سے مسجد بنا' اب ایک عجائب گھر ہے

اقتدار احمد

ڈولما باشی محل کی تعمیر نے خلافت عثمانیہ کے دور زوال کا آغاز کیا تھا

دارالضیافہ میں دوپہر کے کھانے کے بعد ایاصوفیہ کا عجائب گھر دیکھنے کا پروگرام تھا۔ دارالضیافہ سے نکل کر مسجد سلیمانیہ کے کمپلیکس کو عبور کرتے ہوئے ایاصوفیہ پہنچنے میں زیادہ سے زیادہ ایک کلو میٹر کا فاصلہ طے کرنا تھا جو سب خواتین و حضرات نے پیدل چل کر طے کیا۔ یہ شان دار قدیم گرجا عثانی ترکوں کے ہاتھوں قسطنطنیہ کی فتح تک بازنطینی سلطنت میں عیسائیت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ ایاصوفیہ کے لفظی معنی "حکمت خداوندی" ہیں اور ۳۲۵ء سے اس گرجا کا یہی نام ہے جب حکمت خداوندی نے اس عمارت کی شکل اختیار کی۔ ۴۰۴ء میں آتش زدگی کا شکار ہو کر یہ منہدم ہوا' ۴۱۵ء میں دوبارہ تعمیر ہو کر ۵۳۲ء میں ایک بار پھر شعلوں کی نذر ہوگیا۔ ۲۶ر دسمبر ۵۳۷ء کو نئے سرے سے بنوا کر شاہ جسٹینین اول نے جب اس کا افتتاح کیا تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ تاریخ میں اس کی زبان سے نکلا ہوا یہ جملہ محفوظ ہے جو اس موقع پر اس کے فخروانبساط کا مظہر ہے۔ "سلیمانؑ! میں تم سے بازی لے گیا ہوں" یعنی میرا بنایا ہوا یہ شاہکار تمہارے ہیکل سلیمانی کو شان وشکوہ اور مضبوطی و پائیداری میں پیچھے چھوڑ گیا ہے لیکن بیس برس بعد اس کی زندگی میں ہی ایاصوفیہ کا بڑا اور مرکزی گنبد زمیں بوس ہوگیا البتہ ۲۴ر دسمبر ۵۶۳ء کو تعمیر نو کے بعد خود شاہ جسٹینین اول نے ہی بڑھاپے میں اس کی جس عمارت کا دوبارہ افتتاح کیا تھا' اس کا ڈھانچہ تاحال اپنی جگہ قائم ہے۔ ظاہر ہے کہ مرمت کی نوبت تو بار بار آئی اور آخری مرتبہ ۱۳۱۷ء میں اس کے مرکزی ہال کی بیرونی دیواروں کو پشتوں کے اضافے سے بھی مضبوط بنانا پڑا تاہم بنیادی طور پر اس کے نقشے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ گویا اندر جو کچھ آج نظر آتا ہے' چودہ صدیوں سے ایسے ہی چلا آتا ہے۔ دیواروں اور چھت کی زریں آرائش اور پچی کاری بھی امتداد زمانہ کے ہاتھوں ماند تو پڑی لیکن محو نہ ہوئی۔

ترکوں نے قسطنطنیہ کی فتح کے بعد ایاصوفیہ میں میناروں کا اضافہ کر کے اسے مسجد میں تبدیل کر لیا جس کے فوراً بعد مشہور ماہر تعمیرات سنان بک نے ۱۵۷۳ء میں ایک بار پھر اس کا جائزہ لینے میں اپنے کمال فن کا مظاہرہ کیا اور عمارت کے ڈھانچے میں جہاں کہیں کمزوری کے آثار دیکھے' دور کردیے۔ انیسویں صدی کے وسط میں سلطان عبدالمجید اول کے ہاتھوں آخری بار اس کی تزئین و آرائش کا کام بڑے پیمانے پر ہوا جس میں زیادہ توجہ اس بات پر تھی کہ قدیم نقش و نگار کو زیادہ سے زیادہ نکھار دیا جائے جو اب تک دنیا بھر کے ماہرین تعمیرات اور محققین کی خصوصی دلچسپی کی چیز ہے۔ کمال اتاترک نے ۱۹۳۴ء میں ایا صوفیہ کو عجائب گھر بنا دیا تاکہ اس تاریخی عمارت کا رشتہ مذہب سے بالکل کٹ جائے۔ اب یہ سیاحوں کی دلچسپی' بالخصوص ماہرین تعمیرات اور عمارتی آرائش و زیبائش کے فن پر کام کرنے والوں کی توجہ کا مرکز ہے۔

برادر محترم نے ایاصوفیہ میں کوئی دلچسپی محسوس نہ کی اور میں بھی تھک سا گیا تھا چنانچہ راہ چلتے جونہی ہم ایک رواں سڑک کے چوک پر پہنچے جہاں ٹرام سٹیشن نظر آیا اور ٹیکسی کے ہاتھ لگنے کا امکان بھی' تو ہم دونوں نے بیک وقت واپس بھاگنے کا سوچا۔ گاڑی دیکھ کر لاڈی کے پیر پھول گئے تھے' چنانچہ ایک ٹیکسی روک کر ہم نے ہوٹل کا رخ کیا اور پھر مجھ پر تو ایسی کاہلی سوار ہوئی کہ برادر محترم کے اصرار کے باوجود عشائیے میں شرکت سے بھی انکار کرنا پڑا جو استنبول یونیورسٹی کے شعبہ طب و جراحت کے سربراہ کی طرف سے جامعہ کے کلب میں آئی ایم اے کنونشن کے شرکاء کے اعزاز میں ترتیب دیا گیا تھا۔ بعد میں انہوں نے بتایا کہ کھانا تو اپنی جگہ' اصل لطف تو اس ماحول میں تھا جو باسفورس کے عین کنارے پر واقع کلب کے سبزہ زار میں اس تقریب کے لئے مفت میں میسر آیا۔

عشائیے کے لئے روانگی سے پہلے مغرب کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے جس کے ساتھ عشاء بھی بھگتا دی گئی تھی تو ایک صاحب برادر محترم سے کھسر پھسر کرتے پائے گئے۔ میں کھسک کر نزدیک ہوا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کی توجہ ایک اہم فقہی مسئلے کی طرف مبذول کرائی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر ہم حنفی ہیں تو سفر میں بھی ہمیں یوں نمازیں جمع کرنے کی اجازت نہیں جیسے ہم ان دنوں کر رہے ہیں اور شافعی ہیں جن کے ہاں جمع صلواتین پر کوئی قدغن نہیں تو پھر آج کے بعد ہمیں یہ سہولت میسر نہیں ہوگی کیونکہ ہمارا قیام یہاں تین دن کا ہوجائے گا۔ ڈاکٹر صاحب نے تسلیم کیا کہ ان کا نقطہ نظر درست ہے اور محض اتفاق ہے کہ خود ان کا خیال اس طرف نہیں گیا تھا۔ ان کی آواز قدرے بلند تھی لہٰذا بہت سے نمازی ہمارے گرد جمع ہوگئے۔ اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے برادر محترم نے مسلمان ڈاکٹروں کو مخاطب کر کے کہا کہ محض ذاتی سہولت کے پیش نظر کسی ایک معاملے میں ایک فقہ کی پیروی کرنا اور کسی دوسرے میں دوسری فقہ کی رعائت سے فائدہ اٹھانا مناسب نہیں۔ میں خود چونکہ بالعموم فقہ حنفی پر عمل کرتا ہوں لہٰذا جمع صلاتین کا سلسلہ اب موقوف سمجھا جائے' آپ لوگ اپنے بارے میں خود فیصلہ کریں اور معاملے کو گڈ مڈ بہرحال نہ کریں کہ ایک فائدہ یہاں سے اٹھالیں اور دوسرا وہاں سے۔ مسلمان امریکی ڈاکٹر کندھے اچکاتے اور برا سا منہ بناتے منتشر ہوگئے اور معدودے چند ہی ہوں گے جنہوں نے بعد ازاں یہ احتیاط روا رکھی ورنہ ایک ہی ہلے میں دو دو نمازیں بھگتانے کے وہ شاید امریکہ میں اپنے گھروں میں قیام

کے دوران بھی عادی ہیں۔

برادر محترم عشائیے کے لئے گروپ کے ساتھ روانہ ہوگئے تو میں کمرے میں ٹھہر کر ٹی وی سے دل بہلانے کے لئے آزاد تھا۔ کچھ دیر چینل بدل بدل کر مختلف پروگراموں کی جھلکیاں دیکھتا رہا' پھر خیال آیا کہ اپنے ترک دوست ابراہیم یرلی سے گپ کیوں نہ لگائی جائے۔ اس کے گھر کے ٹیلی فون کا نمبر میرے پاس تھا اور ترکی میں ٹیلی فون کا نظام یورپ اور امریکہ کے معیار کا ہے۔ میں اب تک کئی بار اپنے کمرے سے پاکستان فون کر کے والدہ محترمہ کی صحت کے بارے میں دریافت کرچکا تھا جنہیں ہم علیل چھوڑ کر گئے تھے۔ کسی آپریٹر کی مداخلت کے بغیر ہوٹل کا مواصلاتی نظام میرا رابطہ لاہور میں اپنے ٹیلی فون سے قائم کردیتا تھا اور ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا کہ دوسری دفعہ ڈائل کرنے کی نوبت آئی ہو۔ میں نے ابراہیم یرلی کا نمبر ڈائل کیا تو ادھر سے ایک نسوانی آواز نے ہیلو کیا۔ "السلام علیکم"۔ میں نے کہا اور وہ گڑبڑا گئی۔ "اے .... اے ... مم .... مم .... آئی ایم سوری' آپ کو کس سے ملنا ہے؟" --- میں نے کہا "بیٹی' مجھے معلوم ہے کہ میں ابراہیم یرلی کی دختر نیک اختر سے بات کررہا ہوں۔ تم انجینئرنگ پڑھ رہی ہو نا!"۔ "اچھا' آپ پاکستانی انکل بول رہے ہیں' ڈیڈ نے آپ کا ذکر کیا تھا۔ وہ اس وقت گھر میں نہیں ہیں' بس آتے ہی ہوں گے" ۔ میں نے اس سے کہا کہ آئیں تو ٹیلی فون کرادینا' انہیں میرے ہوٹل کے کمرے کا نمبر معلوم ہے اور ٹیلی فون بند کردیا۔

تھوڑی ہی دیر بعد ابراہیم یرلی کا فون آگیا۔ کہنے لگا کہ میں خود بھی سوچ رہا تھا کہ آپ کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کی جائیں لیکن خیال آیا کہ آپ عشائیے پر گئے ہوئے ہوں گے۔ اب تھکا ہارا گھر پہنچا ہوں' پھر سے نکلنا مشکل معلوم ہورہا ہے' کل ملاقات ہوگی۔ میں نے کہا کہ یہ تو خیر ٹھیک ہے' تم یہ بتاؤ کہ تمہاری بیٹی "السلام علیکم" سن کر حواس باختہ کیوں ہوگئی تھی!۔ کیا اسے اس کے معنی معلوم نہیں اور یہ بھی پتہ نہیں کہ جواب میں کیا کہا جاتا ہے؟۔ "نہیں' ایسا تو نہیں' وہ جانتی ہے لیکن کان ان الفاظ سے مانوس نہیں رہے اور شاید جواب بھی بروقت یاد نہ آیا ہو"--- میں نے اس کا بیان صفائی قبول کرلیا لیکن دو دن بعد پھر اس کے گھر فون کیا تو وہی صورت پیش آئی کہ بچی گھبرا گئی اور میرے سلام کے جواب میں پہلے کی طرح ہی ہکلاتی رہی' سلام کا جواب اسے سوجھ کر نہ دیا۔ علیک سلیک کا مزا برصہ کی مسجد میں ہی آیا ورنہ استنبول میں تو عام لوگ یہ رہ و رسم بھول چکے ہیں۔ یہاں "مرحبا" کے علاوہ بس "گڈ مارننگ" اور "گڈ ایوننگ" کے ترکی مترادفات کا چلن ہے۔ عربی رسم الخط کو ترک کر کے اور شعائر اسلامی کو چھوڑ کر ترک بھائی ہم سے کتنے دور ہوگئے ہیں!۔ اس کا قلق تو ترکی میں قیام کے ایک ایک لمحے رہا تاہم اگلے روز "توپ کاپی" میں جگہ جگہ منقش اصل اور قدیم ترکی کی تحریریں دیکھ اور پڑھ کر دل میں درد سوا ہوا۔ میں دیر تک یہی سمجھتا رہا کہ یہ فارسی ہے کیونکہ رسم الخط عربی نہیں' فارسی تھا (وہی جو ہم اردو میں استعمال کرتے اور جسے نستعلیق کا نام دیتے ہیں) اور الفاظ و تراکیب کی اکثریت انہی دونوں زبانوں سے تعلق رکھتی تھی' خال خال ہی کوئی اجنبی سا لفظ نظر آیا جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا تھا کہ یہ فارسی نہیں بلکہ ترکی زبان ہے

اگلی صبح فجر کی نماز سے فارغ ہو کر ہم اپنے کمرے میں واپس آئے تو برادر محترم حسب معمول ذرا کمر سیدھی کرنے کو بستر میں جاگھسے لیکن میں نے ٹھان رکھی تھی کہ باسفورس کے پار مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو آج اپنے کیمرے میں محفوظ کر کے چھوڑوں گا۔ میں کوئی ماہر فوٹوگرافر تو ہوں نہیں اور جاننے والے میری مہارت کا اندازہ اسی امر سے کرلیں گے کہ جب سے یہ شوق چرایا' "آٹوفوکس" کیمرہ استعمال کرتا ہوں لیکن ایک بار چین کے مشہور دریا یانگ ٹزی پر سورج کی اولین کرنوں کے رقص کی تصویر بنائی اور وہ اتفاق سے ایک شاہکار چیز نکلی تب سے ایسے مناظر کا متلاشی رہتا ہوں۔ وہ فوٹو آج بھی میرے پاس محفوظ ہے اور اس کا ذکر آیا تو اب ارادہ کررہا ہوں کہ اس کا ایگیکٹو نکال کر بڑی تصویر بنواؤں گا تاکہ گھر میں کسی دیوار کی زینت بناسکوں۔ اپریل ۱۹۸۵ء میں عوامی چین کے شہر "ووہان" کے اس وقت تک واحد فائیوسٹار ہوٹل کی آٹھویں منزل پر ایک ایسے کمرے میں مقیم تھا جس کی بالکنی یانگ ٹزی کی جانب تھی۔ بالکنی میں کھڑے ہو کر دریا کے دونوں کنارے بیک نگاہ سامنے آجاتے حالانکہ وہاں اس کی چوڑائی خدا جھوٹ نہ بلوائے تو چھ سات فرلانگ سے کیا کم ہوگی۔ پانی دونوں کناروں کے درمیان خوب لبالب بھرا خاصی رفتار سے چلتا ہے اور سنا کہ سال بھر اس کی یہی شان رہتی ہے۔ یہاں دریا کی چوڑائی اور لہروں کی منہ زوری کا اندازہ آپ کرنا چاہتے ہیں تو یہ بتانا کافی ہوگا کہ ان دنوں جب مغربی پریس میں چیئرمین ماؤزے تنگ کے بارے میں افواہوں کا زور تھا کہ بستر مرگ پر ہیں' انہوں نے کڑاکے کی سردی میں ایک صبح اسی مقام سے یانگ ٹزی کو تیر کر پار کیا تھا' پھر اسی ہوٹل میں انہوں نے پریس کانفرنس سے خطاب کیا اور ان کی اس مہم کی فلم چینی ٹیلی ویژن پر دکھائی گئی اور تصاویر دنیا بھر کے اخبارات میں چھپیں تب جا کر یار لوگوں کو یقین آیا تھا کہ بڈھا شیر ابھی شکار کے لئے لومڑیوں اور گیدڑوں کے ہانکے کا محتاج نہیں ہوا۔

میں کیمرہ تیار کر کے اب اس فکر میں غلطاں و پیچاں تھا کہ کوئی مناسب زاویہ کیسے بناؤں۔ یہاں باسفورس تو یانگ ٹزی کی طرح سامنے تھا لیکن کمرے کے ساتھ کوئی بالکنی موجود نہ تھی جس میں کھڑے ہو کر حسب ضرورت پہلو بدلا جاسکتا۔ قد آدم کھڑکی کو کھول کر ہلایا جلایا تو معلوم ہوا کہ اپنی جگہ سے بس برائے نام ہی کھسکتی ہے' بہت سے بہت کیمرے کو تھام کر دونوں ہاتھ باہر نکالے جاسکتے تھے۔ شاید اس میں مصلحت یہ ہو کہ زندگی سے بیزار کوئی شخص یہاں سے چھلانگ لگا کر اپنی جان سے نہ جائے اور مرنا ہی چاہتا ہے تو کم سے کم ہوٹل والوں کی جان کو نہ آئے' کہیں اور جا کر قسمت آزمالے۔ میں نے بڑی کوشش کے بعد گردن کو کئی طرح بل دے کر سر بھی باہر نکال لیا کیونکہ مطلوبہ منظر کو رینج میں لانے کے لئے کیمرے کو تقریباً تیس ڈگری کے زاوے پر رکھنے کی ضرورت تھی۔ اس غیر یقینی صورت حال کے پیش نظر میں نے یکے بعد دیگرے تین چار تصویریں کھینچیں لیکن پاکستان آکر فلم دھلوائی تو مایوسی ہوئی کیونکہ ان میں سے کوئی بھی ویسی نہ نکلی جیسی میرے تصور میں بسی ہوئی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ یانگ ٹزی کے مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کے مقابلے میں ایشیا کی طرف سے یورپ پر طلوع ہونے والا آفتاب زیادہ ضیاء پاشی کرتا نظر آئے' باسفورس کی موجیں یانگ ٹزی کی لہروں سے زیادہ ارغوانی ہوں' ایشیا کی شفق زیادہ لہو رنگ ہو کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا۔ شاید وہ سحر ابھی ہم حرماں نصیبوں کے مقدر میں نہیں!۔

اگلی صبح ناشتے کے بعد عادت سے مجبور ہو کر میں آس پاس مٹرگشت کے لئے ہوٹل سے باہر آگیا۔ نزدیک ہی فٹ پاتھ پر لگے ہوئے ایک بک سٹال پر مقامی جرائد کی ورق گردانی کررہا تھا کہ سادہ سے کوٹ پتلون میں ملبوس ایک ترک نوجوان میرے ساتھ آکر کھڑا ہوگیا۔ کچھ دیر میرے سراپا کا جائزہ لینے کے بعد اس نے عربی زبان میں مجھے مخاطب کیا۔ "آپ عربی سمجھ لیتے ہیں؟"۔ "ہاں' تھوڑی بہت سمجھ لیتا ہوں۔ معاملہ کیا ہے؟" میں نے اپنی ٹوٹی پھوٹی عربی میں جواب دیا جو دیارعرب سے طویل فراق کے باعث اب کچھ زیادہ ہی ٹوٹ پھوٹ گئی ہے۔ "اہلا" وسہلا" مرحبا' آپ پاکستانی لگتے ہیں۔ آپ سے باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے"--- اس کے لہجے میں بڑی ہی اپنائیت تھی۔ "میرا نام عزمے ہے' ترک ہوں اور یہیں استنبول میں رہتا ہوں۔ مقامی یونیورسٹی میں عربی زبان وادب کا طالب علم ہوں"--- میں نے گرمجوشی کے ساتھ اس سے مصافحہ کیا اور اسی ہاتھ سے کھینچتا ہوا بک سٹال سے چند قدم دور لے آیا۔ میں نے کہا "تم سے مل کر بڑی خوشی ہوئی لیکن مشکل یہ ہے کہ ہمیں گفتگو میں خاصی مشکل پیش آئے گی کیونکہ میری عربی کمزور ہے۔ تم تھوڑی بہت انگریزی بھی تو سمجھ لیتے ہوگے؟"۔ لیکن عزمے انگریزی سے بالکل نابلد تھا۔

وہیں کھڑے کھڑے عربی میں بلکہ سچ یہ کہ زبان بے زبانی میں کچھ باتیں ہوئیں اور پھر ہم نے ہوٹل کی طرف چلنا شروع کردیا ۔ میں نے کہا کہ میں یہاں مقیم ہوں ' آؤ لاؤنج میں بیٹھ کر ایک دوسرے کی بات سمجھنے کی کوشش کریں ۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ اس شاندار ہوٹل میں داخل ہوتا جھجھک رہا تھا۔ لاؤنج میں میرے سامنے صوفے پر بیٹھنے کے بعد بھی وہ خاصی دیر سہا سہا رہا اور کئی بار تشویش بھری نظریں گھما کر اس نے ماحول کا جائزہ لیا جو لگتا تھا کہ اس کے لئے یکسر اجنبی ہے ۔ مجھے یہ سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی کہ عزمے کا تعلق معاشرے کے اس طبقے سے ہے جس کے لئے زندگی کا بوجھ اٹھا کر چلنا دو بھر ہوتا ہے۔ یہ بے چارے گھسٹتے ہوئے اپنا سفر طے کرتے ہیں اور ان کے حسین خواب بس آنکھوں میں ہی سجے رہ جاتے ہیں ۔ میں نے بڑی کوشش سے اس کی گھبراہٹ دور کی ' اپنا تعارف کرایا اور اس کے حالات سے آگاہی حاصل کی تو ظاہر ہے کہ اس "گفتگو" میں خاصا ہی وقت لگا تھا جس کے دوران میں وہ بھی بڑی حد تک سنبھل گیا۔ وہ میرے کسی کام آنا چاہتا تھا چنانچہ میں نے اس کا دل رکھنے کو درخواست کی کہ اگر کل صبح دس بجے کے قریب میرے پاس آجاؤ تو ہم دونوں بھائی تمہارے ساتھ چل کر شہر کو اپنے طور پر دیکھنا پسند کریں گے ۔ وہ تیار ہوگیا ۔ اس کا گھر تقسیم چوک سے جہاں ہم مرمرہ ہوٹل میں مقیم تھے 'کوئی آٹھ دس کلو میٹر دور تھا۔ وہ معمولی سا کرایہ خرچ کر کے بس کے ذریعے یہاں پہنچ سکتا تھا اور یونیورسٹی میں ان دنوں تعطیلات بھی تھیں۔

عزمے کو رخصت کر کے میں اپنے کمرے میں آیا تو برادر محترم "ندائے خلافت" اور اپنے ان انگریزی کتابچوں کے سیٹ بنارہے تھے جو ہم امریکی ڈاکٹروں تک پہنچانے کے لئے ساتھ لائے تھے۔ میں نے ان کا ہاتھ بٹایا اور پھر ڈھونڈ ڈھانڈ کے ڈاکٹر طارق چیمہ کو پکڑ کر لایا جنہوں نے ان کی فروخت اور تقسیم کا کام اپنے ذمے لیا تھا ۔ ان سے تبادلہ خیال کے ذریعے ایک موزوں طریقہ کار وضع کیا گیا اور پھر ہم نے نہا دھو کر تیار ہونے کی ٹھانی جس کے بعد ہمیں پورے گروپ کے ساتھ "توپ کاپی" جانا تھا۔

روانگی کے انتظار میں ہم لاؤنج میں ٹہل رہے تھے کہ انہی خوبصورت داڑھی والے دو ترک نوجوانوں نے لپک کر ہمیں آلیا جنہیں ہم پہلی ملاقات میں کسی اسلامی انقلابی گروپ کا ہراول دستہ سمجھے تھے ۔ ہم دونوں بھائیوں کو ہجوم سے ذرا ہٹا کر انہوں نے سرگوشی کی ۔ " آج رات کا کھانا آپ ہمارے ساتھ کھائیں گے' اس دعوت کو قبول کر لیجئے اور ہمیں مایوس نہ کیجئے گا"۔ ہمارا خیال یقین میں بدل گیا کہ یہ لوگ ہم سے اپنی تحریک کے خطوط پر مشورہ کرنا چاہتے ہیں چنانچہ بڑی خوشی اور پرامیدی کے ساتھ ہم نے رضامندی کا اظہار کیا۔ "لیکن ہمارے لئے سواری کا انتظام کرنا آپ کی ذمہ داری ہوگا۔ ہم یہاں اجنبی ہیں اور خاص طور پر رات کو واپسی ہمارے لئے بڑا مسئلہ ہوگی"۔ انہوں نے زور زور سے سرہلا کر ہمیں یقین دہانی کرائی کہ اس بارے میں ذرا بھی پریشانی کا شکار نہ ہوں۔ آج شام کی سیر کا پروگرام پہلے ہی خاصا بھاری تھا لیکن ان نوجوانوں کی رفاقت کے لئے تو ہم اپنی رات کا آرام بھی قربان کرسکتے تھے۔

توپ کاپی کو ہمارے یہاں یار لوگ طوپ کاپی لکھتے ہیں اور کچھ زیادہ ہی علامہ قسم کے حضرات کی تحریروں میں اس کو معرب شکل میں "طوب قابی" بھی پڑھا ہے لیکن ہمیں گائیڈ نے بس میں ہی بتادیا کہ "کاپی" ترکی زبان میں گیٹ (دروازے) کو کہتے ہیں اور توپ وہی لفظ ہے جو ہمارے ہاں بھی اسی معنی میں مستعمل ہے ۔ استنبول میں کئی کاپیاں ہیں جیسے لاہور کے قدیم شہر میں کتنے ہی دروازے ہیں ... موچی دروازہ' بھاٹی دروازہ 'لوہاری دروازہ وغیرہ ۔ استنبول کے پرانے قلعے میں باسفورس کے کنارے جس دروازے پر بڑی توپیں دشمن کے جہازوں کے "استقبال" کی غرض سے نصب تھیں ' وہ توپ کاپی کہلاتا تھا۔ ترکوں نے جب دور تک باسفورس کے دونوں کناروں پر قبضہ کرلیا اور یہ آبی راستہ ہر طرح محفوظ ہوگیا تو قلعے کی فصیل بھی غیر ضروری ہوگئی اور توپیں بھی ہٹالی گئیں اور یہاں ایک شاہی محل کی داغ بیل ڈالی گئی ۔ ۱۴۵۳ء میں استنبول کو فتح کر کے سلطان محمد ثانی نے اپنے لئے پہلا محل وہ بنایا تھا جس کے آثار بھی اب موجود نہیں ' البتہ مسجد سلیمانیہ اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ وہیں استادہ ہے جہاں اسے شاہی محل کے ایک حصے کے طور پر تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ محل چھوٹا پڑگیا تو چھ سال بعد ہی سلطان نے توپ کاپی محل کی تعمیر شروع کی جو باسفورس کے کنارے ذرا بلندی پر واقع ہے۔ بڑی سرعت سے تکمیل کے مراحل طے کرنے والے اس وسیع و عریض محل کی سبھی عمارات ساڑھے پانچ سو سال پرانی ہیں سوائے ایک اور حرم کے جس کا اضافہ تقریباً ایک سو سال بعد کیا گیا ۔ صدیوں سلاطین ترکی اور خلفائے عثمانی کی رہائش توپ کاپی محل میں رہی تا آنکہ سلطان عبدالمجید اول نے "ڈولما باشی" محل بنوا کر اپنی رہائش اس میں منتقل کرلی ۔ یہ منتقلی ۱۸۳۹ء میں ہوئی تھی جو خلافت عثمانیہ کے دور زوال کا آغاز ثابت ہوئی ۔ اس منحوس محل کی تعمیر میں خرابی کی ایک بڑی ہی کریہہ صورت مضمر تھی۔

سلطان عبدالمجید اول کے مصاحبین دربار اور خوشامدیوں نے اصرار کیا کہ توپ کاپی محل اب ایک دقیانوسی عمارت بن کر رہ گیا ہے اور اس میں قیام عالم اسلام کے خلیفہ کے شایان شان نہیں چنانچہ نیچے اتر کر عین باسفورس کے کنارے پر ایک قطعہ زمین کو ہموار کرنے اور باقاعدہ مستطیل کی شکل دینے کے لئے پتھروں اور مٹی کی بھرائی پر زرکثیر صرف کیا گیا پھر جدید ترین یورپی ڈیزائن پر ایک عظیم الشان محل کی تعمیر شروع ہوئی اور اس نے خزانے کی چیں بلادی جس کا حال پہلے ہی پتلا تھا ۔ ۲۸۵ کمروں اور ۴۳ وسیع و عریض نشست گاہوں میں آرائش و زیبائش کا کونسا سامان نہ کیا گیا۔ پورے یورپ سے طرح طرح کے قیمتی گھڑیال لا کر جمع کئے گئے لیکن وقت کے تیور کسی نے نہ پہچانے ' جواہرات سے مرصع اور جھلمل کرتے ۹۴ بلوریں فانوس آویزاں کئے گئے تھے لیکن وہ بھی مستقبل کی تاریکی کو دور کرنے میں ناکام رہے اور پانچ ہزار مربع گز ہاتھوں کے بنے ریشمی قالین صرف راہداریوں میں بچھائے گئے جنہوں نے پھر سلطان کے پیروں کو زمین پر نہ ٹکنے دیا ۔ خاص شاہی استعمال کے کمروں کی اندرونی آرائش پر چودہ ٹن سونے اور چالیس ٹن چاندی کا استعمال ہوا اور تکمیل تک ڈولما باشی محل پچاس لاکھ اشرفیاں پھونک چکا تھا جو آج کے حساب سے پچاس کروڑ امریکی ڈالر ' بارہ ارب پچاس کروڑ پاکستانی روپے یا ۳۵ کھرب ترکی لیرے کے برابر تھیں۔ ڈولما باشی محل نے پہلے شاہی خزانے کا صفایا کیا اور پھر سلطان کو قرضوں کے جال میں جکڑ کے چھوڑا ' پڑوسی یورپی حکومتوں کے قرض اور خاص طور پر یہودی سود خوروں کے قرض جو آکر سلطان کا حوصلہ بڑھاتے اور پھر من مانی شرائط پر اپنی دولت لا کر سلطان کے "قدموں میں" ڈھیر کردیتے تھے۔ (باقی باقی)

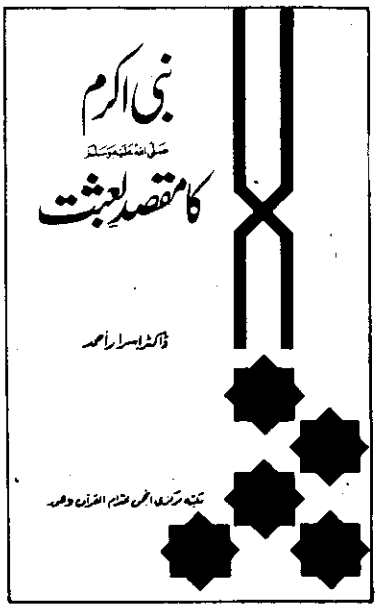

اشاعتِ خاص -/۲۰ روپے' عام -/۱۰ روپے

بقیہ کراچی کی مصروفیات

پاکستان کے حوالے سے بات کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ پاکستان کی بقاء صرف اور صرف اسی میں ہے کہ ہم اس نظام عدل اجتماعی کو یہاں قائم کریں۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو اس کے بقاء کا کوئی جواز نہیں۔ یہ بنا ہی صرف اسی مقصد کے لئے تھا۔ اگر جلد اس مقصد کی طرف پیش قدمی نہ کی گئی تو اس کے ہولناک نتائج ہوسکتے ہیں۔ ہماری اور آپ کی بقاء بھی اسی میں ہے کہ اس نظام کو قائم کرنے کی بھرپور جدوجہد کی جائے آج دنیا کو ایسے نظام کی تلاش ہے جو انہیں عدل و قسط مہیا کرسکے۔ پاکستان میں اسلام پسند قوتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ بعض جماعتیں صرف فضائل کی تلقین میں لگی ہوئی ہیں انہیں ایک قدم آگے بڑھ کر نہی عن المنکر کی طرف آنا ہوگا۔

رہیں وہ اسلام پسند جماعتیں جو صرف ووٹ کے ذریعہ انقلاب کی متمنی ہیں' تو انہیں ایک قدم پیچھے ہٹنا ہوگا۔ یہ سب قوتیں یکجا ہونگی تبھی انقلاب آئے گا۔ انہیں ایک مرکز پر آنا ہوگا' اس کے بغیر تمام منفرد کوششیں پہلے بھی ناکام ہوتی رہی ہیں اور آئندہ بھی ہوتی رہیں گی۔ سیرت کے حوالے سے انقلاب کے جو مراحل ملتے ہیں' انہیں اختیار کرنا ہوگا۔ اسی طرح انقلاب آئے گا کیونکہ دوسرے تمام راستے اسلامی انقلاب کی طرف نہیں بلکہ کسی نہ کسی سراب کی طرف جاتے ہیں۔

۲۹ ستمبر کو بعد نماز مغرب سوالات و جوابات کی ایک نشست ہوئی جس کا اعلان جلسہ کے دن کیا گیا تھا۔ اس نشست کے فوراً بعد تنظیم اسلامی شرقی نمبر ا گلشن اقبال کے دفتر کا افتتاح کرنا تھا۔ دفتر میں اتنی گنجائش نہیں تھی کہ مدعو حضرات کو بٹھایا جاسکے اس لئے سڑک پر شامیانہ لگا کر کرسیاں رکھی گئی تھیں۔ تمام کرسیاں بھر چکی تھیں اور کافی لوگ کھڑے ہو کر سوال و جواب سن رہے تھے۔ یہ نشست مغرب تا عشاء جاری رہی جس کے بعد امیر محترم دفتر تشریف لائے اور تنظیم کے رفقاء سے اندرونی نظم کے متعلق گفتگو کی۔ بعد دعاء کے یہ اجتماع اختتام کو پہنچا اور اس کے ساتھ ہی یہ دورہ بھی۔

بقیہ تجزیہ

معمولی تھی اور صورت حال تبدیل ہوسکتی تھی مگر ایوب خاں اور یحییٰ خان کے بعد اسلم بیگ بھٹو خاندان کے لئے فرشتہ رحمت ثابت ہوئے اور بعد میں جب بے نظیر صاحبہ کے خلاف نواب زادہ نصراللہ کی قیادت میں تحریک چلی تو اسلم بیگ نے سب کی درخواست کے باوجود مارشل لاء نافذ کرنے سے انکار کیا اور صدر اسحٰق کو خود ہی کارروائی کرنی پڑی اگرچہ یہ کارروائی بھی جنرل اسلم بیگ کی اجازت اور مرضی سے ہوئی۔

اس موقع پر اسلم بیگ اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ بے نظیر کا دفاع کرسکتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے جذباتی فیصلوں اور اقدامات کے ذریعہ فوج میں اپنے خلاف فضا پیدا کرلی تھی یا یہ فضا پیدا کردی گئی تھی۔ بعد میں بے نظیر صاحبہ نے خود تسلیم کیا کہ اس فضا کے بننے میں ان کی غلطیوں کو دخل تھا اور انہیں فوجی افراد کے تقرر و تبادلوں پر خود سری سے کام نہیں لینا چاہیے تھا مگر فوج سے تعلقات میں خرابی اور اس کے نتیجے میں اقتدار سے محرومی کے باوجود بے نظیر نے مخالف فوج رویہ اختیار نہیں کیا۔ انہوں نے اس بائیں بازو کو کبھی اپنا دوست نہیں سمجھا جو فوج کے خلاف بڑھ چڑھ کر باتیں کرتے تھے' اس کی بجائے فوج کے قریبی لوگوں کو تلاش کیا اور ان سے تعلقات قائم کئے۔ ان میں ضیاء کابینہ کے کئی وزیر بھی شامل تھے۔ انہیں بے نظیر نے نہ صرف اپنایا بلکہ بلند و بالا مقام عطا کیا۔ اس کی ایک مثال خواجہ طارق رحیم کی ہے۔ فوج کے قریبی لوگوں میں سے چند اور کو بھی انہوں نے اپنا مشیر بنایا اور آخر کار نظر یہ آتا ہے کہ کم از کم اب فوج اور پیپلزپارٹی ایک دوسرے کے خلاف بر سر جنگ نہیں ہیں اور یہ بے نظیر صاحبہ کی آئندہ کی سیاسی کامیابیوں کی ایک ابتدا کہی جاسکتی ہے تاہم مطلق اقتدار انہیں کبھی حاصل نہیں ہوگا' پاکستان میں آئندہ کوئی بھی ایوب' یحییٰ' بھٹو یا ضیاء نہیں بن سکتا اور بہتر یہی ہے کہ سب لوگ مل جل کر اس پر اتفاق کرلیں کہ وہ اپنے اپنے حصے کے محدود اقتدار پر قناعت کریں گے اور یہ نقطہ نظر ہو تو ہماری سیاست اب بھی تصادم کے موجودہ حالات کی بجائے مفاہمت کی راہ پر گامزن ہوسکتی ہے۔○○

بقیہ ---------- افتتاحیہ

ارباب اقتدار کے عزائم کو خاک میں ملانے کے ارادے کے ساتھ ملک کی حکومت مخالف جماعتیں جمع ہورہی ہیں اور ہر طرف سیاسی رہنماؤں کی چہل پہل اور چہکار دیکھی سنی جاسکتی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ سب محض دھوئیں کا بادل (سموک سکرین) ہے جس کے پیچھے کسی "بالائی قوت" کی آشیرواد نہ ہوئی تو ہمارے جہاندیدہ صدر مملکت ہی کی ایک پھونک سے ہوا میں تحلیل ہو کر رہ جائے گا۔ کیا عالم بالا سے کسی اشارے کا انتظار ہے جو شاید اگلے ماہ ملنے والا ہے؟۔○○

الحمد للہ کہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام

قرآن حکیم کی فکری و عملی رہنمائی سے عمومی استفادے اور عربی زبان کی تحصیل کے لئے

خط و کتابت کورس

کا اجراء گذشتہ سالوں کے دوران ہو چکا ہے۔

○ پہلا کورس "قرآن حکیم کی فکری و عملی رہنمائی" کے زیر عنوان ہے' جو ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے درس قرآن کے ۴۴ کیسٹ اور چند کتب پر مشتمل ہے۔

○ دوسرا کورس ابتدائی عربی گرامر کی تدریس سے متعلق ہے جس میں "آسان عربی گرامر" سبقاً سبقاً پڑھائی جاتی ہے۔ قرآن حکیم کا مفہوم براہ راست سمجھنے کے لئے عربی زبان کی تحصیل اشد ضروری ہے۔

بلا تاخیر خط و کتاب کورس میں داخلہ لیجئے اور گھر بیٹھے قرآن حکیم کی رہنمائی اور عربی زبان کی تدریس کے اس مفید انتظام سے فائدہ اٹھائیے۔

نوٹ: ہر دو کورس کے پراسپکٹس' داخلہ فارم اور دیگر تفصیلات شعبہ خط و کتابت کورس' قرآن کالج' ۱۹۱۔ اے اتاترک بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور سے طلب فرمائیں۔

فون: ۸۳۳۶۳۸۔ ۸۳۳۶۳۷

المعلن: مدیر خط و کتابت کورس'
مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

خطوط آپ کے

مکرمی! آج کل فحاشی و عریانی جس قدر عروج پر ہے اور روز بروز فسوں تر ہوتی جارہی ہے شاید پہلے کبھی نہ تھی۔ موجودہ "اسلامی جمہوری" حکومت کے دور میں تو فحاشی و عریانی کا ایک بحر بے کراں امڈ آیا ہے۔ گھر سے باہر نکلیں تو لچر فلموں کے نیم عریاں پوسٹر آپ کے استقبال کے لئے آویزاں ہوتے ہیں سینما گھروں میں مخرب اخلاق فلمیں چلا کر نوجوان نسل کو اخلاق باختہ کیا جارہا ہے جس کے مظاہرے ہر روز اخبارات کی زینت بنتے ہیں۔ گلی گلی ویڈیو سینٹرز کھل گئے ہیں جہاں سے ہر قسم کی فلم حاصل کی جا سکتی ہے اور یوں عملاً" ہر گھر منی سینما بنتا جارہا ہے۔ بلکہ اب تو ڈش انٹینا ان سب خباثت کو پیچھے چھوڑ چکا ہے۔ دنیا جہاں کی فحاشی ڈش انٹینا کے ذریعے دیکھی جا سکتی ہے آرٹ کونسلیں، رسائل و جرائد اور اخبارات بھی اس ضمن میں کسی سے پیچھے نہیں رہنا چاہتے۔

ان دگرگوں حالات میں امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت کی اردو روزناموں کے مالکان و مدیروں سے ایک مخلصانہ درخواست اندھیرے میں روشنی کی کرن بن کر نمودار ہوئی ہے۔ کم از کم کسی نے تو اس سیلاب کے آگے بند باندھنے کی کوشش تو کی۔ محترم ڈاکٹر صاحب کی یہ درخواست ہر ذی ہوش انسان کی دلی آواز ہے اور اس کی تائید بھی کی جارہی ہے۔ اب یہ اخبارات والوں پر منحصر ہے کہ وہ اس درخواست کو درخور اعتنا سمجھتے ہیں یا نہیں۔ اس مادہ پرستی کے دور میں جہاں پیسے کو ہی ہر چیز سمجھا جاتا ہے بادی النظر میں اس کی امید تو نہیں کی جاسکتی کہ اخبارات رضاکارانہ طور پر فضول قسم کے رنگین ایڈیشن بند کردیں گے لیکن شاید ان کے دل میں ڈاکٹر صاحب کی بات اتر ہی جائے!۔

آپ کے لئے بہت سی نیک دعائیں اور خواہشات:

خیراندیش
ڈاکٹر محمد سلیم گوجرانوالہ

کہتی ہے خاک بوسنیا

کہتی ہے خاک بوسنیا، مشرق کی ہوا! مشرق کی ہوا!
میں سمجھی تھی اس دنیا میں اک تنہا مسلم میں تو نہیں
اک شور و غوغا سنتی تھی، اسلام! اسلام، از آن و ایں
اک حشر جو برپا ہے مجھ پر، تثلیث کی فطرت لائی ہے
بس ایک گناہ! کہ روح میری طیبہ، بطحا سے آئی ہے
کہتی ہے خاک بوسنیا، مشرق کی ہوا! ، مشرق کی ہوا!

وہ لوگ کہیں دیکھے تم نے جو مرد، مجاہد غازی تھے
جو الا اللہ کے پالے تھے، سرتاپا—— سر کی بازی تھے
اور بیشک حق و ایماں کے بالا و بلند حوالے تھے
کہتی ہے خاک بوسنیا، مشرق کی ہوا! مشرق کی ہوا!

ان میں کچھ شاعر، اہل قلم، جو امت کی پیشانی تھے
اور عالم واعظ، پیر و جواں—— کیا سارے بات پرانی تھے؟
سب اپنے کیوں دزدیدہ نظر، سر جیب میں ڈالے ہیں لرزاں؟
اے وقت بتا! اتنا تو نہ تھا خون مسلم عام و ارزاں
کہتی ہے خاک بوسنیا، مشرق کی ہوا! ، مشرق کی ہوا!

مشرق کی ہوا! دے لا کے پتہ، اپنوں کے ٹھور ٹھکانے کا
معیار مبارک ہو ان کو، اپنوں کو یوں اپنانے کا
اتنا تو بتا دیں مجھ کو ذرا میں کس کی ذات کا حصہ ہوں
پھر یا دہرائے جانے والا—— اندلس ہی کا قصہ ہوں
کہتی ہے خاک بوسنیا، مشرق کی ہوا! ، مشرق کی ہوا!

کہنا—— "مسلم! خود اپنی ذات کو کس لمحے پہچانو گے؟
مسلم اور غیر دو قومیں ہیں، رمز فرقاں کب جانو گے؟"
مشرق کی ہوا! مسلم جو ملیں چپ رہنا بس! نامہ نہ پیام!
میں کرب و بلا کی بستی ہوں، سب خون سمندر میرے نام!
کہتی ہے خاک بوسنیا

کفایت محی الدین

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36 -K,Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

ایک تاثر

تبلیغی جماعت کے اجتماع میں نہی عن المنکر' اقامت دین اور خلافت کی بازگشت

آملیں گے سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک

رحیم کاشفی

ندائے خلافت کے ۳۷ ویں شمارے کے ایک مراسلہ میں تبلیغی جماعت کے پھلنے پھولنے کا نسخہ بایں الفاظ سامنے آیا" کہ اس نے نہی عن المنکر کا فریضہ اپنے تبلیغی پروگرام سے خارج کردیا ہے" تو ذہن زعمائے تبلیغی جماعت کی ان حالیہ " بیانات" کی طرف مبذول ہوا جن میں انہوں نے نہ صرف نہی عن المنکر کی اہمیت کو واضح و مبرہن کیا بلکہ کسی پیرایہ میں خلافت کا بھی تذکرہ کیا۔ ہمیں نہیں معلوم کہ تبلیغی جماعت نے کبھی نہی عن المنکر کو اپنی دعوت و تبلیغ کا جزو بنایا ہو اور بعد میں اسے ترک کردیا ہو اور صرف امربالمعروف کی لکیر پر چل پڑے ہوں البتہ کراچی کے دو روزہ بڑے اجتماع میں نہی عن المنکر کی فرضیت کا تذکرہ ایک نہایت موثر و بلیغ تمثیل کے انداز میں پیش کیا گیا۔ فرمایا کہ کسی تھانے کی حدود میں کوئی واردات ہوجائے اور ڈی ایس پی صاحب تھانیدار سے مواخذہ کریں تو تھانیدار یہ عذر پیش کر کے بری الذمہ نہیں ہوسکتا کہ جناب یہ (غلط) کام میں نے نہیں کیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ اس کی ذمہ داری تھی کہ اپنے علاقے میں کوئی غلط کام نہ ہونے دے۔ محض اس بنا پر کہ اس نے خود اس جرم کا ارتکاب نہیں کیا' اس کی گلو خلاصی نہیں ہوسکتی۔ یہی مثال اس اس امت کی ہے کہ برائی کو دیکھے تو قوت سے روک دے' اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے ٹوکے اور اس کی بھی طاقت و ہمت نہ پاتا ہو تو کم از کم دل میں تو برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

میں سوچتا رہا تھا کہ لاکھوں نفوس پر مشتمل ایمان و یقین کی شمعیں روشن کرنے کی دای یہ جماعت کب تک ایمان کے کمزور ترین پہلو پر قناعت کرتی رہے گی۔ لیکن بیان کردہ تمثیل سے یک گونہ امید بندھی ہے کہ شاید اس جانب کوئی قدم اٹھانے کی تیاری ہو رہی ہو۔ اللہ پاک توفیق عطا فرمائیں۔ دین کے اس اہم تقاضے کو بڑے شد و مد کے ساتھ بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ مندرجہ بالا تمثیل ایک طرف نہی عن المنکر کی فرضیت و اہمیت اور اس کے لازم و ناگزیر ہونے کو واضح کرتی ہے تو دوسری طرف اس فریضہ کی عدم ادائیگی کے نتائج و عواقب سے بھی خبردار کرتی ہے ' جس کی سزا تعزیر و سرزنش سے لے کر منصب سے معزولی تک ہوسکتی ہے۔ العیاذ باللہ۔ ضرورت ہے کہ اس تمثیل کو پلے باندھ کر امت کے مقام و مرتبہ کو اس کے حوالے سے متعین کیا جائے۔ ہر دور میں مختلف مثالوں سے بات سمجھائی جاتی رہی ہے' آج یہ بہترین مثالوں میں سے ایک ہے۔ اللہ پاک اس کے بیان کرنے ' سننے اور پڑھنے والوں کو عمل کی توفیق بھی عطا فرمائیں (آمین)

اجتماع کی نشستوں میں منبر سے خلافت کا ذکر بھی سنا اور اقامت دین کی میٹھی دینی اصطلاح بھی کانوں میں پڑی۔ اقامت صلواۃ کے ساتھ اقامت دین کی فرضیت مسلمانوں کی نگاہ سے اکثر و بیشتر اوجھل ہوچکی ہے اور اغیار کی کوشش بھی یہی ہے کہ۔

چشم عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب
ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں

البتہ بیان میں اقامت دین کی کوشش کے حوالے سے بات تشنہ ہی رہی کہ اس کے لئے کونسا طریقہ استعمال کیا جائے ' ممکن ہے مقرر کے ذہن میں اسوہ رسولؐ موجود ہو لیکن بیان و کلام کے طویل ہوجانے کی وجہ سے اس کا ذکر نہ کرسکے ہوں۔ تاہم یہ بات بڑی خوش آئند ہے کہ تبلیغی اجتماعات میں اقامت دین کی بات بھی ہونے لگی ہے ' دین تو غالب ہو کر رہے گا' دیکھنا یہ ہے کہ اس کی جدوجہد میں ہمارا کتنا حصہ ہے۔

اسی طرح خلافت کے ضمن میں بالکل درست فرمایا گیا کہ خلافت انہی کو عطا ہوگی جو اس کی لازمی شرائط یعنی ایمان و عمل صالح کے تقاضوں کو پورا کریں گے۔ لیکن فریضہ نہی عن المنکر ہو یا اقامت دین و قیام خلافت کی جدوجہد ' کشمکش اور تصادم اس راہ عزیمت کے نشانات منزل ہیں ' اگر کوئی ان سنگ ہائے میل سے وراہی ورا ہفت خواں طے کرنا چاہتا ہے تو وہ خود ہی اپنی منزل کھوٹی کرتا ہے ' یا فی الحقیقت ادھر کا ارادہ ہی اس نے نہیں کیا

امر بالمعروف کے ساتھ مزید تین دینی اصطلاحوں یعنی نہی عن المنکر ' اقامت دین اور خلافت کی صدائے بازگشت گو بڑی کمزور اور سرسری سہی' اب بحمداللہ مختلف پلیٹ فارموں سے سننے میں آرہی ہے۔ کیا عجب کہ یہی مدہم مدہم سی آوازیں بانگ درا بن جائیں اور سر سے کفن باندھ کر اللہ کی راہ میں نکلنے والوں کی کھیپ کی کھیپ مہیا ہوجائے اور یہ چمن نعرہ توحید سے پھر معمور ہو۔ہمیں دین کا کام کرنے والوں سے حسن ظن رکھنا چاہیے' اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے جو کوئی نیک نیتی سے دین کی کسی بھی خدمت میں مصروف ہے اس کا اجر اللہ کے ہاں یقیناً محفوظ ہے۔ ○○